واجازت حاصل تھی، شاعر بھی تھے، ذوق سے تلمذ تھا، اور اس دور کے بہت سے اکابر سے ان کے تعلقات تھے، بدایوں، اس کے اطراف اور مالوہ میں ان کے روحانی اور ادبی فیوض کا سلسلہ عرصہ تک جاری رہا، چنانچہ ان مقامات میں ان کے مریدین اور خلفاء کی بڑی تعداد تھی، انکے احفاد میں ایک نوجوان ابرار علی صاحب نے ان کے حالات میں مذکورۂ بالا کتاب لکھی ہے، اس میں مولانا شاہ محمد دلدار علی کے خاندان، ان کے علمی کمالات، سلوک و معرفت، ارشاد و ہدایت، خلفاء، مریدین اور تلامذہ و احباب کی تفصیل ہے، اسکے بعد ان کے نام ان کے معاصرین کے خطوط ہیں، ان میں مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مرزا غالب، مولوی باقر علی دہلوی مفتی صدر الدین آزردہ، مولانا عبد الحق خیر آبادی، مولوی محمد حسین آزاد اور امیر مینائی کے نام قابل ذکر ہیں، پھر صاحب سوانح کے شاعرانہ کمالات اور ادبی تصانیف کا تذکرہ مختلف اصناف سخن میں کلام کے نمونے اور کلام کا انتخاب ہے، آخر میں ان تمام سلاسل کا تفصیلی شجرہ ہے جن میں ان کو اجازت حاصل تھی، مگر تصوف و سلوک کے سلسلہ میں صحیح تصوف اور ارشاد و ہدایت کے بجائے کشف و کرامات کا تذکرہ زیادہ ہے، تاہم جو لوگ صوفیانہ مذاق رکھتے ہوں، انکے مطالعہ کے لائق ہے،

کلمات اکابر۔ مرتبہ جناب مولانا محمد اسحٰق بنارسی، تقطیع اوسط، ضخامت ۱۲۷ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ (۱) مولانا محمد اسحٰق، کچی باغ بنارس، (۲) کریم منزل فلیٹ نمبر ۱ پلٹن روڈ، بمبئی،

اس کتاب میں مولف نے کلام مجید، احادیث نبوی، صحابۂ کرام، تابعین عظام اور دوسرے صلحاء و اخیار کے سبق آموز کلمات طیبات اور اخلاقی و حکیمانہ اقوال و ملفوظات جمع کیے ہیں جن سے دین و دنیا دونوں میں ہدایت و رہنمائی حاصل ہوتی ہے، جن بزرگوں کے اقوال نقل کیے گئے ہیں، ان کا مختصر تعارف بھی کرا دیا گیا ہے، کتاب مفید اور سبق آموز ہے،

"م"

جلد ۸۱ ماہ رجب المرجب ۱۳۷۷ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۵۸ء نمبر ۲

مضامین

شذرات

ہم سب اس کے عادی ہوگئے ہیں کہ ہر معاملہ میں حکومت ہی کا سہارا ڈھونڈھتے ہیں اور خود اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے، چنانچہ ہم خود اردو کے مسئلہ میں بارہا حکومت کا شکوہ کر چکے ہیں، مگر آج اردو کے بولنے والوں اور اسکے حامیوں سے بھی چند باتیں کہنی ہیں، اس میں شبہہ نہیں کہ کسی زبان کی ترقی اور اس کے تنزل میں حکومت کی حمایت اور اس کی مخالفت کو بڑا دخل ہوتا ہے، اور یہ بھی صحیح ہے کہ ملک میں جتنی زبانیں بھی بولی جاتی ہیں ان کو زندہ رکھنا جمہوری حکومت کا فرض اور ان کے حقوق کے لیے لڑنا ان کے بولنے والوں کا حق ہے، مگر اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی زبان کی زندگی اور موت حکومت کے اختیار میں نہیں ہے، کوئی حکومت کسی ایسی زبان کو ختم نہیں کر سکتی جس میں خود زندہ رہنے کی صلاحیت اور اسکے بولنے والوں میں اسکو زندہ رکھنے کا جذبہ ہو، اردو کی صلاحیت اس سے ظاہر ہے کہ وہ ہر قسم کی مخالفتوں اور رکاوٹوں کے باوجود نہ صرف زندہ ہے بلکہ حکومت کے دائرہ کے باہر اسکی ترقی کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا ہے، اب آئندہ اس کی زندگی و موت اس کے بولنے والوں پر منحصر ہے۔

گو یہ نہایت تلخ حقیقت ہے مگر واقعہ ہے کہ اردو کے خدمت گذاروں اور ایک محدود جماعت کے علاوہ اردو کے بارہ میں اس کے حامی اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے اور خود ان کی غفلت اور بے توجہی سے اردو کو کچھ کم نقصان نہیں پہنچ رہا ہے، اردو کے بقا کے سلسلہ میں سب سے اہم مسئلہ اس کی ابتدائی تعلیم کا ہے، اس بارہ میں اس کے حامیوں پر جو فرائض عاید ہوتے ہیں ان کو بہت کم لوگ پورا کر رہے ہیں، یہ مانا کہ حکومت نے اردو کو جو تعلیمی حقوق دیے ہیں، ان میں متعلقہ حکام طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالتے ہیں، لیکن کتنے لوگ ان رکاوٹوں کا مقابلہ کرتے ہیں، بلکہ اب تو اس کی مثالیں بکثرت ہیں کہ حکومت کی ہندی نوازی اور ہندی کا چلن دیکھکر خود والدین اپنے بچوں کو اردو نہیں پڑھواتے اور ثانوی تعلیم میں خود طلبہ اردو نہیں لیتے۔ اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ سرکاری اسکولوں میں اردو کی تعلیم کا دروازہ بالکل بند ہو چکا ہے تو گھروں میں بچوں کی اردو تعلیم

سے کونسی چیز مانع ہے جبکہ اس میں کوئی خرچ بھی نہیں ہے اور تعلیم یافتہ والدین خود بچوں کو آسانی سے اردو پڑھا سکتے ہیں، اس غفلت اور لاپروائی کا یہ عبرتناک نتیجہ ہے کہ آج بہت سے ایسے گھرانوں کے بچے جن کی مادری زبان اردو بلکہ اردو معلی ہے، اردو نہیں لکھ سکتے، اور اردو کے مقابلہ میں انکو ہندی لکھنے میں زیادہ سہولت ہوتی ہے،

یہی حال لڑکیوں کی تعلیم کا ہے، جس کے نتائج ان تمام لوگوں کے لیے جن کی مادری زبان اردو ہے اور خاص طور سے مسلمانوں کے لیے اور بھی خطرناک ہیں، ہندی کا نصاب محض زبان کی تعلیم کا نہیں بلکہ ہندو کلچر کی تعلیم کا ہے، اسکو پڑھنے والی لڑکیاں اردو سے بالکل ناواقف اور خالص ہندی کی تعلیم یافتہ اور ہندو کلچر کی پروردہ ہوں گی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آئندہ چل کر ان کی گود میں جو نسل پلے گی، اس کی نہ صرف مادری زبان ہندی ہو جائے گی بلکہ وہ تمامتر ہندو تہذیب کے رنگ میں رنگ جائے گی، جس کی ذمہ داری سے والدین قطعاً بری نہیں ہیں، اسی پر اردو کی ترقی و اشاعت کے دوسرے وسائل کو بھی قیاس کرنا چاہیے، اردو کے حامیوں نے آج کتنے مدارس شبینہ اور تعلیم بالغاں کے مرکز قائم کیے ہیں، کتنے تعلیم یافتہ اردو کے اخبارات، رسالے اور کتابیں خرید کر پڑھتے ہیں، جن میں کچھ ذوق بھی ہے تو ان کا مطالعہ بھی ادنیٰ درجہ کے لٹریچر سے زیادہ نہیں ہے، جب خود ہماری غفلت اور بے توجہی کا یہ حال ہے تو تنہا حکومت کی زیادتیوں کا شکوہ کہاں تک صحیح ہے، حقیقت یہ ہے کہ اردو کی زندگی خود ان کے بولنے والوں کی کوشش پر منحصر ہے، اگر اسکو زندہ رکھنا ہے تو اس کے تمام وسائل اختیار کرنے چاہئیں، خصوصاً اردو کی ابتدائی تعلیم والدین کا اولین فرض ہے اور اس میں ان کا کوئی عذر بھی صحیح نہیں ہے، جس گھر کا ماحول اردو ہو اس میں اس کی تعلیم اور بھی آسان ہے، اگر وہ اتنا بھی نہیں کر سکتے تو تنہا حکومت سے اس کا شکوہ بیکار ہے،

حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کے اہل وطن ان کی یادگار میں ان کے وطن دیسنہ ضلع پٹنہ میں سلیمان ہال کے نام سے ایک عمارت تعمیر کر رہے ہیں، اس سلسلہ میں انھوں نے ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب گورنر بہار کو مدعو کیا تھا، ڈاکٹر صاحب اور سید صاحب میں بہت پرانے تعلقات تھے، ڈاکٹر صاحب ان کو اپنا بزرگ سمجھتے تھے، اس لیے وہ اس دعوت پر گذشتہ دسمبر کے آخر میں دیسنہ تشریف لے گئے تھے، یہاں بھی انھوں نے سید صاحب

کے ساتھ اپنے تعلقات اور عقیدت کا پورا ثبوت دیا اور اہل دیسنہ سے وہ گورنر بہار کی حیثیت سے نہیں بلکہ سید صاحب کے دوست وعزیز کی حیثیت سے ملے، سید صاحب کی یاد میں انھوں نے جو تقریر کی وہ بھی انکی فطری شرافت کا نمونہ تھی جس سے اہل دیسنہ بہت متاثر ہوئے

حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علمی عظمت سے قطع نظر ان کی ملکی و وطنی خدمات بھی کم نہیں ہیں، ایک زمانہ میں وہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبر تھے، اور کانگریس کے حلقہ میں انکی رائے کا بڑا وزن تھا، گاندھی جی ان کو جانز مولوی کہتے تھے، اور بعض معاملات میں ان سے مشورہ بھی کرتے تھے، اس زمانہ کے تمام لیڈروں، گاندھی جی، پنڈت موتی لال نہرو، مسز سروجنی نائیڈو، مولانا محمد علی، شوکت علی، ڈاکٹر انصاری، پنڈت جواہر لال نہرو سے ان کے گہرے تعلقات تھے، پنڈت جواہر لال ان کا خاص احترام کرتے تھے، مولانا ابوالکلام تو ان کے دیرینہ رفیق ہی ہیں اور اس صوبہ میں دار المصنفین بھی سیاست کا ایک اہم مرکز تھا، اور یہ سارے لیڈر جب اس نواح میں آتے تھے تو دار المصنفین ہی میں ٹھہرتے تھے، یہ بخت و اتفاق ہے کہ حالات نے سید صاحب کو ترک وطن پر مجبور کردیا، ورنہ اگر وہ ہندوستان میں ہوتے اور زندہ رہتے تو آزادی کے فوائد کے وہ بھی حقدار ہوتے، اس لیے حکومت بہار کا یہ فرض ہے کہ ان کی یادگار کی تعمیر میں پوری مدد کرے،

سید صاحب نے دیسنہ میں ایک نیا اور وسیع مکان بنوایا تھا جس میں انکو رہنے کا بہت کم موقع ملا، اب یہ مکان کسٹوڈین کے قبضہ میں ہے، دیسنہ جیسے گاؤں میں وہ کسٹوڈین کے کسی مصرف میں نہیں آسکتا، بجز اسکے کہ چند دنوں میں مسمار ہوجائے، حکومت بہار کو چاہیے کہ اس مکان کو واگذاشت کرکے اسی میں سید صاحب کی یادگار میں کوئی مفید ادارہ قائم کردے، اس سے مکان بھی محفوظ رہے گا اور اس سے لوگوں کو فائدہ بھی پہنچے گا۔

گذشتہ مہینہ مسلم یونیورسٹی میں مسعودی کی ہزار سالہ یادگار منائی گئی اور اس سلسلہ میں علوم اسلامیہ کی بھی ایک کانفرنس ہوئی، افسوس ہے کہ بعض اتفاقی موانع کی بنا پر راقم کو اس میں شرکت کا موقع نہ مل سکا، مگر اخبارات کی اطلاع اور شرکا کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں تقریبیں کامیاب ہوئیں، مسعودی کی یادگار میں ہندوستان کے اہل علم کے علاوہ بیرونی ملکوں کے فضلا بھی شریک تھے، دار المصنفین کے رفیق مولوی مجیب اللہ صاحب ندوی نے "مسعودی اور ہندوستان" کے عنوان سے مقالہ پڑھا، علوم اسلامیہ کی کانفرنس کے سلسلہ میں ایک مستقل کمیٹی بنادی گئی ہے اور یہ طے پایا ہے کہ ہر دو سال کے بعد اسکا اجلاس ہوا کرے گا، اگر اس ادارہ نے مستقل شکل اختیار کرلی تو ادارۂ معارف اسلامیہ لاہور کا اچھا بدل ہوسکتا ہے جس کی ہندوستان میں بڑی ضرورت ہے۔

مقالات

فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر

از مولانا محمد تقی امینی صدر دار العلوم معینیہ درگاہ شریف اجمیر

دنیا کے مقننین کو اس بات کا اعتراف ہے کہ قانون کے ابتدائی تصورات کا علم انھیں ابتک نہیں حاصل ہوسکا ہے، روما کا قانونی نظام بھی ایسی ناقابل اطمینان حالت میں ہے کہ اس سے ابتدائی تصورات کا پتہ لگانا مشکل ہے،

بعض مقننین نے تو اپنی لاعلمی کو چھپانے کے لیے ابتدا میں کسی قانون کے ہونے ہی سے انکار کردیا ہے، چنانچہ وہ یہ بات یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ

انسان کی ابتدائی حالت میں نہ کسی قسم کے وضع قانون کا تصور کیا جاتا تھا اور نہ واضع قانون کا، اس زمانہ میں قانون کو "رواج" کا مرتبہ بھی نہ حاصل تھا، وہ صرف ایک عادت ہوتی تھی، یا بقول فرانسیسیوں کے اس کا "وجود ہوائی" سمجھا جاتا تھا۔[1]

(۱) قانون کی ابتدا، کا حال مذہب سے معلوم ہوتا ہے نہ کہ قانون کی تاریخ سے

لیکن مذہب کی تاریخ اس یقین کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے، قرآن حکیم نے انسان کی جو ابتدائی سرگذشت بیان کی ہے، اور بعثت انبیاء کے ساتھ "نزول شرائع" کا جو تسلسل قائم کیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کبھی بھی اپنی ہدایت کے

---

[1] قدیم قانون از ص ۱ تا ۱۶

بارے میں کسی قسم کی تاریکی اور جہالت میں مبتلا نہ تھا، بلکہ ہمیشہ اس کے سامنے ہدایت الٰہی کی شمع روشن کی جاتی رہی ہو جس سے ایک طرف تو بھٹکے ہوؤں کو راستہ ملتا رہا ہے اور دوسری طرف زندگی کو آگے بڑھانے والے "جر توموں" کی ترتیب ہوتی رہی ہے۔

ہدایت الٰہی (فطری قوانین) کا یہ سلسلہ برابر جاری رہا اور اسی کے ساتھ انسان کی مدنی اور اجتماعی زندگی کی ترقی ہوتی رہی، درمیان میں جب کبھی لوگوں کے اغراض اور جذبات کی غلط روی کی وجہ سے اس میں ناقص اجزاء شامل ہوگئے تو ان اجزاء کو جدا کرنے، اصل کو نکھارنے اور زندگی کو آگے بڑھانے کے لیے خدا کے پیغمبر اور رسول آتے رہے اور وہ حالت کی مناسبت سے منجانب اللہ ایسے قوانین کا اضافہ کرتے رہے، جن سے انسان کی مدنی اور اجتماعی زندگی کی ترقی میں مدد مل سکے،

(۲) روما میں تدوین قانون کی وجہ اور قانونی لحاظ سے روما کو ترجیح دینے کی وجہ

یہاں تک کہ وہ زمانہ آیا کہ "روما" میں دنیا وی مجموعۂ قوانین "دوازدہ الواح" مرتب کیا گیا اور اس میں فطری قوانین کے بہت سے اجزاء شامل ہوئے،

پھر تقریباً ایک ہزار سال بعد "جسٹی نین" نے روما کے قانونی نظام کو باعدہ مرتب اور مدون کرایا جو رومن لا، (Roman Law) کے نام سے مشہور ہے اور ساری دنیا کے قوانین کی بنیاد ہے،

اس آخری مجموعہ کے بارے میں تمام مقننین کا اتفاق ہے کہ وہ دو اجزاء سے مرکب ہے

(۱) قانون فطرت اور (۲) قانون ملکی،

جو قانون ایک قوم اپنے لیے بناتی ہے، وہ اس قوم کا "ملکی قانون" کہلاتا ہے اور جو فطرت تمام نوع انسانی کے لیے مقرر کرتی ہے وہ قانون فطرت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

قانون کی کتابوں میں قانون فطرت کے اور کئی نام بھی ملتے ہیں، مثلاً "قانون قدرت، قانون الٰہی، قانون عقل، قانون عام، قانون غیر مکتوبی، قانون بین الاقوام وغیرہ[۱]،

[۱] اصول قانون ص ۵،

ذیل میں ہم قانون روما کی اجمالی تاریخ اور ترکیبی اجزاء سے کسی قدر تفصیلی بحث کرتے ہیں، تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ وہ کس قسم کے ماحول میں مرتب ہوا اور کن اجزاء سے مرکب ہے اور یہ معلوم ہو سکے کہ ہدایت الٰہی کا اس پر کتنا اثر ہے اور کیونکر ہے؟

اس میں شک نہیں کہ یونان کے مغلوب ہونے کے بعد روما کو عروج حاصل ہوا اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ روما کے ابتدائی مقننین نے یونان کے آخری مقننین سے کافی مدد لی تھی، اس کے باوجود قانون کی تاریخ روما سے اس بنا پر شروع کی جاتی ہے کہ قانون کی شکل دینے، اس کو اخلاق سے متمیز اور سلطنت کی عام قانونی تنظیم کرنے میں روما نے حصہ لیا ہے[۱]،

(۳) ۴۵۱-۴۵۰ق قبل مسیح کے لگ بھگ مجموعہ قوانین دوازدہ الواح مرتب کیا گیا تھا

"روما" میں مجموعۂ قوانین "دوازدہ الواح" مرتب ہونے سے پہلے روما کا قانونی نظام مذہبی مراسم اور رواجات پر مبنی تھا، ہر سال شہری معاملات و تنازعات کے تصفیہ کے لیے "مذہبی کونسل" کا ایک رکن مقرر کر دیا جاتا تھا، اور وہی تمام امور کا ذمہ دار و نگراں قرار پاتا تھا،

۴۵۱-۴۵۰ق قبل مسیح کے لگ بھگ قانون بنانے کے لیے دس آدمیوں کی ایک مجلس مقرر کی گئی اور اس نے قوانین کا ایک مجموعہ مرتب کیا جو "دوازدہ الواح" کے نام سے مشہور ہے اور جس کو روما کے قانونی نظام میں بنیادی حیثیت حاصل ہوئی،

اس مجموعہ میں معاملات و کاروبار اور مملکت کے انتظام و انصرام سے متعلق احکام تھے، اور اکثر وہ رواج بھی شامل تھے، جو رومیوں میں پہلے سے رائج تھے، اور قانون کا درجہ حاصل کر چکے تھے، حتی الامکان اس بات کی کوشش کی گئی تھی کہ قدیم مذہبی مراسم کو اس مجموعہ سے الگ رکھا جائے اور "سیکولر" طرز کا نظام قانون مرتب کیا جائے، لیکن اس کوشش میں پوری طرح کامیابی نہیں حاصل ہو سکتی تھی، یہی وجہ تھی کہ اس مجموعہ کی اشاعت کے بعد بھی ایک

[۱] نظریۂ سلطنت ص ۱۴۰،

صدی سے زیادہ عرصہ تک مذہبی لوگوں ہی کا اقتدار قائم رہا اور یہی لوگ مجموعہ کی تشریح و توضیح کرکے اس میں اضافہ کرتے رہے، اس طرح یہ مجموعہ مشترکہ طور پر گویا مذہبی، دیوانی اور خالص اخلاقی احکام پر مشتمل بن گیا تھا،[1]

بعد کے زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ حالات و ضروریات کی مطابقت سے احکام کی تشریح و توضیح اور قیاس و استنباط کا کام منتشر طور پر برابر جاری رہا، چنانچہ "گایوس" وغیرہ کے کئی مجموعوں کے مرتب کیے جانے اور کئی مجلس قانون ساز کے مقرر کیے جانے کا ذکر قانون کی تاریخ میں موجود ہے، اس طرح تدوین قانون کی کوشش رفتہ رفتہ ارتقائی مدارج طے کرتی رہی،[2]

(۴) ۵۳۴ء میں رومن لا کی تدوین مکمل ہوئی تھی

پھر تقریباً ایک ہزار سال بعد ۵۲۷ء میں جب شہنشاہ جسٹی نین سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس نے قانون کی باقاعدہ تدوین کی طرف سب سے پہلے توجہ کی، چنانچہ اس نے رائج شدہ قوانین اور مرتب شدہ مجموعوں کا مطالعہ کرنے کے بعد قانون کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، (۱) قانون موضوعہ اور (۲) قانون غیر موضوعہ،

قانون موضوعہ سے ملک کے تمام وہ قوانین مراد ہیں، جن کو مختلف مجالس مقننہ نے مختلف وقتوں میں وضع کیا تھا، لیکن باقاعدہ ترتیب نہ ہونے کی وجہ سے منتشر اور غیر قانونی زبان میں تھے، قانون غیر موضوعہ سے مجتہدین کے فتاوی اور مجسٹریٹوں کے وہ اعلانات مراد تھے، جو حالات کی مناسبت سے مختلف وقتوں میں صادر ہوتے تھے، اور قانونی حیثیت حاصل کر چکے تھے،

۵۲۸ء میں جسٹی نین نے قانون موضوعہ کی باقاعدہ ترتیب کے لیے اور ان کو قانونی زبان میں ڈھالنے کے لیے دس اشخاص پر مشتمل ایک لا کمیشن مقرر کیا اور اس کو یہ ہدایت کی،

(۱) فضول چیزیں جو قانون کے نام پر رائج ہو گئی ہیں، انھیں اس ترتیب سے الگ رکھا جائے،

[1] نظریہ سلطنت ص ۱۰۴ [2] خصوصی قانون روما ص ۴۴، ۴۳ اور امام ابو حنیفہ کی تدوین قانون اسلامی ص ۲۹

(۲) جو قوانین آپس میں ایک دوسرے کے خلاف ہیں، ان کا تناقض دور کرکے ان میں مطابقت پیدا کی جائے، کمیشن نے حسب ہدایت اس کام کو ایک سال کے عرصہ ۵۲۹ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچایا، جب یہ مجموعہ مکمل ہو گیا تو جسٹی نین نے دیگر فرامین سابقہ کو مسترد و منسوخ کرکے اسی کو قانون موضوعہ کے طور پر ملک کا قانون بنا دیا،

پھر دسمبر ۵۳۰ء میں ایک دوسرا لا کمیشن قانون غیر موضوعہ کی تنظیم کے لیے مقرر ہوا جس کا مقصد یہ تھا کہ موضوعہ کی طرح غیر موضوعہ کو بھی ایک ڈائجسٹ (Digests) میں جمع کر دیا جائے، اس سلسلہ میں بڑی دشواری فقہا، کے فیصلوں اور مجسٹریٹ کے اعلانوں کے اختلاف کی تھی، جسٹی نین نے اس دشواری کو حل کرنے کے لیے خود پچاس فیصلے صادر کیے، اس طرح یہ مجموعہ دسمبر ۵۳۳ء میں مکمل ہو کر ملک کا قانون بنا،

جسٹی نین نے اسی سال گایوس (Gaius) کی ایک قدیم کتاب پر نظر ثانی کرا کے انسٹی ٹیوٹس (Institutes) کے نام سے اس کی جدید ترتیب کرائی، گایوس (Gaius) کی یہ کتاب رومی قانون کے سلسلہ میں بہت اہم تھی، اس میں قانون کے بنیادی اصول بیان کیے گئے تھے، اور وہ قانون کے ابتدائی طلبہ کے لیے بیحد مفید سمجھی جاتی تھی، اور ڈائجسٹ کے مطالعہ میں بھی تمہید کا کام دیتی تھی،

۵۳۴ء میں پھر پہلے مجموعہ (Codex) پر جو ۵۲۹ء کو مکمل ہوا تھا، نظر ثانی کرائی گئی اور درمیانی عرصہ کے تمام اضافوں کو اس میں شامل کرکے وقت اور ضرورت کے لحاظ سے مکمل کیا گیا، اس نئے مجموعہ کا نام کوڈکس ریپی ٹی ٹائی پرائی لیکیشنس (Codex Repetitae Praelections) قرار پایا، اس نئے مجموعہ میں یہ تصریح کر دی گئی تھی کہ آئندہ وضع قانون سے متعلق جو تجویزیں عمل میں لائی جائیں انھیں فرامین جدید کی طرح شائع کیا جائے، چنانچہ اسی کے

مطابق بعد کے شائع شدہ ایک سو ستر ناولس (Novels) کو کوئی باضابطہ شکل نہیں دی گئی، غرض سات یا آٹھ سال کی مدت میں رومی قانون کا یہ مجموعہ مکمل ہوا، آجکل رومی قانون کے نام سے جو مجموعہ موجود و مشہور ہے، وہ جسٹی نین کی یہی مذکورہ مختلف تالیفات ہیں، جن کو ایک تصنیف مانا جاتا ہے، اس تصنیف میں مندرجۂ ذیل مجموعے شامل ہیں،

(۱) ڈائجسٹ (۲) انسٹی ٹیوٹس (۳) کوڈکس ریپی ٹائی پرائی لیکیٹونس اور (۴) ناولس[1]

تدوین قانون کی اجمالی تفصیل کے بعد اب ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ روما کے مذکورہ قانونی نظام میں ہدایت الٰہی اور فطری قوانین کا کتنا اثر تھا؟

(۵) رومن لا قانون الٰہی سے متاثر ہے

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یونان کے مغلوب ہونے کے بعد روما کو عروج حاصل ہوا، جن لوگوں نے یونان اور روما کی معاشرت کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے، اور قوموں کی باہمی اثر پذیری کا اندازہ لگایا ہے وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ روما فوجی نقطۂ نظر سے غلبہ حاصل کر لینے کے باوجود ادبی اور قانونی نقطۂ نظر سے یونان کا خوشہ چیں رہا ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ سے یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ ہر آنے والی قوم جانے والی قوم سے عدہ باتیں سیکھتی ہے، اور نظام حکومت کی تشکیل میں بہت حد تک اس کی پیروی کرتی ہے، جب کہیں جا کر اپنی حکومت کو مضبوط کر پاتی ہے،

یونان میں قانون فطرت (قانون اخلاق) کے نام سے قوانین کے مجموعہ کا ثبوت ملتا ہے، اس کے بارے میں یونانیوں کا یہ عام خیال تھا کہ اس کا نزول ایک ایسے عالم سے ہوا ہے جو فطرت کا مرکز و مسکن ہے، اور وہ ان فطری احکام کو تعبدی احکام کا مجموعہ خیال کرتے تھے، بالخصوص رواقیین کا یہ خیال تھا کہ عقل کل (ذات الٰہی) نے انسان کی ہدایت و اصلاح کے لیے قانون فطرت کو جاری کیا ہے؛

[1] خصوصی قانون روما ص ۴۳ تا ۴۸

اس کے علاوہ حکمائے یونان کا عمومی حیثیت سے یہ مسلک بھی تھا کہ تخلیق انسانی کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان فطرت کے مطابق زندگی بسر کرے، یعنی مذموم عادات اور عوام الناس کی ادنیٰ خواہشات کو ترک کر کے اعلیٰ طریق عمل اختیار کرے[1]،

(۶) اس سلسلہ میں چند حکماء کی رائیں

ذیل میں ہم حکماء کی چند رائیں نقل کرتے ہیں، جن سے مذکورہ باتوں کی تصدیق ہوتی ہے،

ارسطو۔ قانون دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے، قانون عام اور قانون خاص۔

قانون خاص، قواعد و ضوابط مکتوبی پر مبنی ہے اور قانون عام ایسے غیر مکتوبی احکام و قواعد پر مشتمل ہے جن کو دنیا کے کل انسان تسلیم کرتے ہیں،

سسرو۔ اس میں شک نہیں کہ دنیا میں ایک سچا قانون Lex ہے جو ہر جگہ یکساں پایا جاتا ہے، دنیا کی تمام قومیں ہر زمانہ میں اس کی تابع رہی ہیں اور رہیں گی، اور کل انسانوں کا ہمیشہ ایک ہی حاکم و مالک رہے گا اور وہ حاکم خداوند تعالیٰ ہے، جس نے اس قانون کو مرتب کیا اور ترقی دیتا رہے گا،

گایوس۔ دنیا کی ان تمام قوموں میں جن کے یہاں قوانین اور رسوم پر عمل ہے، قانون کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم کا قانون وہ ہے جو ہر ایک قوم اور ریاست کے لیے مخصوص سمجھا جاتا ہے، اور دوسری قسم کا قانون وہ ہے جو کافۃ الناس کے واسطے عام ہے، پہلا قانون ملکی کہلاتا ہے، کیونکہ اس کا تعلق اسی ریاست سے مخصوص ہوتا ہے، اور دوسرا جس جنیشیم (Jus gentium) کہلاتا ہے، کیونکہ انسان کی کل قومیں اس کے تابع ہوتی ہیں (یونان کی اصطلاح میں اس لفظ کا اطلاق قانون قدرت پر کیا جاتا تھا اور اس سے فلسفیانہ و اخلاقی قوانین مراد لیے جاتے تھے)

[1] قدیم قانون از ص ۴۳ تا ۴۸،

جسٹی نین۔ قانون فطرت جس کو تمام قومیں مانتی ہیں اور جس کو مشیت ایزدی نے جاری کیا ہے ہمیشہ سے ہے اور ابد تک بلا ترمیم و تبدیل ایک ہی طور پر نافذ رہے گا۔

لیکن قانون ملکی میں حسب ضرورت تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ زمانۂ سلف میں بھی اس قسم کے قانون میں بار بار ترمیم ہوئی ہے۔

کرسچن ٹامےسیس۔ قانون فطرت ایک قسم کا قانون الٰہی ہے، جو انسان کے قلوب پر ظاہر ہوا ہے، جس کی وجہ سے انسان کو اس کا نفس نیک کام کرنے کی ترغیب دیتا ہے، اور برے کاموں سے بچنے کی ہدایت کرتا ہے۔[1]

(۱) تاریخی حیثیت سے چند شہادتیں

تاریخی حیثیت سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ رواقیین کا مذکورہ اصول یعنی "فطرت کے مطابق زندگی بسر کرنا" اہل روما کی سوسائٹی میں سرایت کر گیا تھا۔ بالخصوص روما کے مقنن اس اصول سے بہت زیادہ متاثر تھے، اور وہ صدیوں اس فلسفہ کے حامی رہے، ایسی حالت میں اس بات کے یقین کرنے میں کونسی دشواری ہے کہ روما کے مجموعہ قوانین میں فطری اصولوں کا ایک حصہ تھا یا وہ کسی نہ کسی حد تک اس سے متاثر تھا، چنانچہ جسٹی نین نے تدوین قانون سے متعلق جو رسالہ شائع کیا تھا، اس میں لکھا تھا کہ "تمام قومیں جن میں قوانین اور مراسم کا رواج ہے، جزءاً اپنے مخصوص قوانین اور جزءاً فطری قوانین کی تابع ہوتی ہیں، اسی طرح روما کے مقننین میں یہ بات عام طور پر مشہور تھی کہ روما کے مجسٹریٹ کے اعلانوں نے ان فطری قانون کو روما کے قانون میں شریک کر لیا ہے، ان ہی وجوہ کی بنا پر ماہرین قانون کی یہ رائے اوپر بیان کی گئی ہے کہ روما کا قانونی نظام دو اجزاء سے مرکب ہے (۱) قانون فطرت اور (۲) قانون ملکی۔[2]

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اوپر قانون فطرت کی جس قسم کا ذکر کیا گیا ہے اس سے آجکل کی اصطلاح کے مطابق قانون طبعی مراد نہیں ہے، جن کی بنا پر نظام عالم کے افعال و حرکات میں نظم اور ضابطہ نظر آتا ہے

[1] اصول قانون ص ۷۰، تا ۸۰ [2] قدیم قانون ص ۴۶

بلکہ وہ قانون اخلاق مراد ہیں جن پر فلسفہ یونان کی بنیاد تھی، اور جن کے بارے میں ہمارا دعویٰ ہے کہ مسلسل صدائے الٰہی کی بازگشت کا نتیجہ تھے، حتیٰ کہ فلسفہ نے بھی یہیں سے اصول اخذ کر کے ان پر اپنی بنیاد قائم کی تھی،

چنانچہ قانون کی کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ "جب فلسفۂ یونان کی شمع "ایتھنز" میں گل ہوئی تو اس حکمت کے آفتاب نے روما میں طلوع کیا اور یونانی زبان میں قدرتی انصاف کے نام سے جو الفاظ مروج تھے، انھوں نے روما میں آکر (Justician Naturalis) کا لباس پہن لیا، اور (Lax Natu Rae) نے (Jus Natu rale) کی شکل اختیار کر لی۔[1]

مندرجۂ بالا تشریحات سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں:

(۱) مذہبی تاریخ کے علاوہ قانون کی ابتدا کا پتہ اور کہیں سے نہیں چل سکتا (۲) دنیا کا ابتدائی مرتب کردہ مجموعۂ قوانین (دوازدہ الواح) مذہب کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکا تھا، (۳) فلسفۂ یونان نے اخلاقیات کے اصول مذہب سے لیے تھے (۴) جسٹی نین کا مرتب کردہ "رومن لا" بھی مذہب کے اثر سے کافی متاثر تھا، بلکہ فلسفۂ یونان کے ذریعہ مذہبی اصولوں کا ایک حصہ اس میں آ گیا تھا،

(۵) قانون کا سلسلہ کبھی بند نہیں ہوا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی آخری اور جامع شکل پیش کر دی

قانون کی ترتیب و تدوین کے درمیانی عرصہ میں نزول شرائع اور بعثت انبیاء کا سلسلہ بند نہیں ہوا تھا، بلکہ ضرورت اور موقع کے لحاظ سے حسب سابق برابر جاری تھا، جس سے ایک طرف زندگی کی ترتیب ہو رہی تھی، اور دوسری طرف قانون کو وسعت دینے کی راہیں ہموار ہو رہی تھیں،

[1] اصول قانون ص ۴۰،

اس طرح قانون کی دنیا میں ایک خوشگوار انقلاب کے لیے فضا ہموار ہو رہی تھی کہ ۶۱۰ء میں انقلاب کے داعی اعظم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، انھوں نے دنیا کے سامنے ۲۳ سال کی مدت میں ہدایت الٰہی کی آخری اور جامع شکل پیش کی۔

ذیل میں ہم ہدایت الٰہی کی نوعیت کے بارے میں کسی قدر تفصیلی بحث کرتے ہیں، تاکہ اس کے مقام اور کردار کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

(۹) ہدایت الٰہی کا اصل مقصد قلبی و روحانی اصلاح اور تمدنی و معاشرتی فلاح ہے

ہدایت الٰہی کے پیش نظر ہمیشہ دو مقصد رہے ہیں: (۱) قلبی و روحانی اصلاح اور (۲) معاشرتی و تمدنی فلاح،

اس لحاظ سے اس میں دو قسم کے قوانین پائے جاتے رہے ہیں اور دونوں کی حیثیتیں مختلف رہی ہیں، (۱) ایک وہ جن کی روح اور قالب یا معنی اور صورت دونوں ہی کو شریعت نے متعین کیا ہے اور مقصود ٹھہرایا ہے، (۲) دوسرے وہ جن کی صرف روح اور معنی مقصود ہیں، قالب اور صورت مقصود نہیں ہیں۔ پہلی قسم کے قوانین غیر متبدل اور یکساں رہنے والے ہیں، اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ شکل وصورت میں ہو سکتی ہے اور نہ روح اور معنی میں، اور دوسری قسم کے قوانین، چونکہ سماجی زندگی کے مختلف حالات، وقت اور موقع کی مناسبت کے تابع ہیں، اس لیے معاشرہ کی حالت کی تبدیلی اور تمدنی ترقی کے ساتھ ان کی شکل وصورت بدل سکتی ہے، شارع حقیقی کی طرف سے صرف ان کی روح کی بقا کا مطالبہ ہے، شکل وصورت جو بھی ہو اس سے بحث نہیں ہے،

ہدایت الٰہی کے مجموعہ قوانین میں پہلی قسم کی حیثیت بمنزلہ روح اور بنیاد کے ہے، کیونکہ اسی کے ذریعہ قسم ثانی کے بارے میں پالیسی اور تمدنی فلاح کے بارے میں صحیح زاویۂ نگاہ کا تعین ہوتا ہے، رہی دوسری قسم تو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دنیا کا ہر قانون کسی نہ کسی حد تک اپنے زمانہ کے رسم و رواج اور اخلاق و عادات سے متاثر ہوتا ہے، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مقنن

جب کسی ملک کے لیے قانون بناتا ہے تو سب سے پہلے ان احکام و مراسم پر نظر ڈالتا ہے، جو اس ملک میں پہلے سے جاری یا رائج ہوتے ہیں، ان میں سے بعض کو وہ بعینہٖ اختیار کر لیتا ہے، بعض میں ترمیم و اصلاح کرتا ہے اور بعض کو بالکلیہ ختم کر دیتا ہے،

(۱۰) ہدایت الٰہی کی اشاعت میں موجودہ احکام و مراسم کی رعایت

انبیاء کرام نے بھی ہدایت الٰہی کی تبلیغ کے سلسلہ میں اسی اصول کو ملحوظ رکھا تھا، لیکن رائج شدہ احکام و مراسم کے ترک اور قبول میں ہمیشہ دو باتوں کو پیش نظر رکھا۔

(۱) ترک و قبول کے ہر مرحلہ میں معاشرہ کی حالت اور عوامی شعور کی کیفیت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگایا۔

(۲) جن قوانین یا مراسم کو قبول کیا، ان میں ہدایت الٰہی کی روح پھونکی، ان کو ان کے سانچے میں اس طرح ڈھالا کہ وہ نظام الٰہی میں فٹ ہو جائیں،

قرآن حکیم کی درج ذیل آیت سے اس بحث پر روشنی پڑتی ہے،

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ	ہر طعام بنی اسرائیل کے لیے حلال تھا،
إِسْرَآءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَآءِيلُ	مگر وہ جس کو اسرائیل (یعقوب علیہ السلام)
عَلَىٰ نَفْسِهِۦ	نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا،

اس سے یہ کلیہ ثابت ہوتا ہے کہ بعض احکام و مراسم مخصوص حالات و مصالح کے پیش نظر ہوتے ہیں، اور اسی وقت تک باقی رہتے ہیں جب تک حالت اور مصلحت کا وجود باقی رہتا ہے،

اسی طرح بعض احکام و مراسم زمانہ اور اشخاص کے مزاج پر موقوف ہوتے ہیں، مثلاً نوح علیہ السلام کی قوم زیادہ قوی و توانا تھی تو قوت شہوانیہ کو دبانے اور مزاج میں اعتدال کی کیفیت پیدا کرنے کے لیے روزہ وغیرہ کے احکام سخت کر دیے گئے تھے، موسیٰ علیہ السلام کی قوم نہایت

مرکش تھی تو اس کے مزاج میں اعتدال پیدا کرنے کے لیے سخت قسم کے قوانین نافذ کیے گئے تھے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اشخاص کے مزاج و حالات کی مناسبت سے سوالات کے مختلف جوابات دیے ہیں، مثلاً کسی شخص سے والدین کی خدمت کو سب سے بڑی نیکی فرمایا، کسی سے جہاد کو اور کسی سے احسان و سلوک کو، غرض جس شخص میں جس چیز کی ضرورت دیکھی، مزاج کی مناسبت سے اسی پر زیادہ زور دیا،

(۱۱) انبیاءؑ قوم کے طبیب ہوتے ہیں اور مزاج کی مناسبت سے انکی تشخیص و تجویز ہوتی ہے

انبیاء علیہم السلام قوم کے طبیب ہوتے ہیں، اور وہ قوم کے مرض، اور مزاج کی مناسبت سے غذا اور دوا تجویز کرتے ہیں،

جس طرح ایک کامل طبیب تشخیص و تجویز کے ہر مرحلہ میں گرمی، سردی، قوی، مزاج، عمر وغیرہ کی رعایت ضروری سمجھتا ہے، اسی طرح روحانی طبیب مزاج کو معتدل رکھنے کے لیے مذکورہ بالا تمام باتوں کی رعایت ضروری جانتا ہے، اور ان ہی کی مناسبت سے پرہیز، دوا، اور غذا تجویز کرتا ہے، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

انما مثله کمثل الطبيب يعمل الى	رسول اللہؐ کی مثال طبیب جیسی ہے کہ
حفظ المزاج المعتدل فی جميع	ہر حالت میں معتدل مزاج کی حفاظت
الاحوال فتختلف احكامه	ضروری سمجھتا ہے، طبیب کے احکام (تشخیص و
باختلاف الاشخاص و	تجویز کے) زمانہ اور اشخاص کے لحاظ سے مختلف
الزمان فيامر الشاب بما لا يامر	ہوتے ہیں، جوان کیلیے جو تجویز کرتا ہے بوڑھے
الشائب ويامر فى الصيف بالنوم	کے لیے وہ نہیں کرتا ہے، موسم گرما میں کھلی فضا
فى الجو لما يرى ان الجو مظنة	میں سونے کے لیے کہتا ہے اور موسم سرما میں گھر
الاعتدال حينئذ ويامر	اندر سلاتا ہے، موسم کے اس اختلاف کی بناپر

فى الشتاء بالنوم داخل	اعتدال مزاج کی رعایت کے لیے اپنے احکام
البيت لما يرى انه مظنة	کے اختلاف کو وہ ضروری قرار دیتا ہے اور
البرد حينئذ[۱]	اسی پر اس کا عمل درآمد رہتا ہے۔

(۱۲) تشخیص و تجویز کے حدود

مگر تشخیص و تجویز کے معاملہ میں انبیاء علیہم السلام کی نہ تو بالکلیہ خود مختارانہ حیثیت ہوتی ہے کہ اپنی مرضی سے جو چاہیں کر دیں یا جو قواعد و قوانین چاہیں مقرر کریں، اور نہ بالکلیہ پابند ہوتے ہیں کہ ہر چھوٹے بڑے فیصلہ میں صریح ہدایت کے محتاج ہوں، بلکہ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وحی کے مختلف طریقوں کے ذریعہ ان کو ہدایت الٰہی کے بنیادی اصول بتا دیے جاتے اور اس کی کلی پالیسی سمجھا دی جاتی ہے اور مجموعی طور پر مزاج سے روشناس کرا دیا جاتا ہے، اس انتظام کے بعد حالات و تقاضا کی مناسبت سے جو ضرورتیں پیش آتی رہتی ہیں، اگر ان کے بارے میں کوئی صریح ہدایت آجاتی ہے تو فبہا، ورنہ وہ اسی پالیسی اور مزاج کی رعایت سے اور ان ہی بنیادی اصولوں کی روشنی میں اپنے اجتہاد سے حکم صادر کر دیتے ہیں اور اس حکم کو الٰہی نظام میں قانونی حیثیت دیجاتی ہے، اب اگر اس حکم کی حیثیت کسی مصلحت پر مبنی ہونے یا کسی خاص امر کی رعایت کی وجہ سے وقتی رعایت ہوتی ہے تو اس مصلحت کے ختم ہونے کے بعد وہ حکم بھی ختم ہو جاتا ہے، یا ملتوی کر دیا جاتا ہے، ورنہ دیگر الٰہی قوانین کی طرح اس حکم پر عمل درآمد بھی باقی رہتا ہے۔

(۱۳) خطاء اجتہادی پر آگاہی و تنبیہ

پھر بھی اس سلسلہ میں قدرت کی جانب سے یہ احتیاط برتی جاتی ہے کہ اگر کسی وقت حالات کا جائزہ لینے میں انبیاء علیہم السلام سے کوئی لغزش ہو گئی جس کی بناء پر کوئی غیر اولیٰ حکم صادر ہو گیا تو فوراً اس سے آگاہ کر کے تلافی مافات کر دی جاتی ہے، اس طرح خطائے اجتہاد کی پر قائم رہنے اور اولیٰ کے مقابلہ میں غیر اولیٰ کو ترجیح دینے سے حفاظت ہوتی رہتی ہے۔

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ ص ۸۸

چنانچہ قرآن حکیم میں اس قسم کی بعض مثالیں موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعی معاملہ میں نظریۂ رحمت کے پیش نظر کوئی حکم دیا لیکن نظریۂ عدل کے اعتبار سے وہ موزوں نہ تھا تو اجتماعی مفاد کے پیش نظر آپ کو اس سے مطلع کر دیا گیا، یا ذاتی معاملہ میں آپ نے کوئی ایسا عمل کیا جو آپ کی قدر و منزلت کے لیے مناسب نہ تھا تو فوراً اس سے خبردار کیا گیا (مثالوں کی گنجایش نہیں ہے)۔ اس انتظام و احتیاط کی بنا پر بلاشبہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرات انبیا خطا و لغزش سے محفوظ ہوتے ہیں، اور امور دین سے متعلق جو بات کہتے ہیں اس کی حیثیت وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ کی ہوتی ہے۔

(۱۴) موجودہ احکام و مراسم اور مرغوبات و مالوفات میں ترک و قبول کے اصول

یہ حضرات موجودہ مروجہ احکام و مراسم اور لوگوں کی مرغوبات و مالوفات کے قلع قمع کرنے میں شمشیر بے نیام نہیں ہوتے کہ جو بات موجود دیکھی اس کو ختم کر دیا یا جو لوگوں کی پسندیدہ چیز ہوئی اس سے روک دیا، بلکہ لوگوں کی نفسیات کے پیش نظر "خذ ما صفا ودع ما کدر" پر عمل کرتے ہیں۔ جیسا کہ شاہ صاحب کہتے ہیں:-

فما کان صحیحاً موافقاً لقواعد السیاسة الملیة لا یغیر بل تدعوا الیه وتحث علیه وما کان سقیماً قد دخلته التحریف فانها تغیره بقدر الحاجة وما کان حریاً ان یزاد فانها تزید علی ما کان عندهم[1]	ان احکام و مراسم میں جو باتیں صحیح اور سیاست ملیہ کے اصول کے مطابق ہوتی ہیں یہ حضرات ان میں کوئی تبدیلی نہیں کرتے ہیں بلکہ انکی طرف دعوت دیتے ہیں اور قوم کو ابھارتے ہیں، اور جو باتیں بری ہوتی ہیں یا احکام میں تحریف و تبدیلی داخل ہو جاتی ہے تو بقدر ضرورت اصلاح کے ذریعہ ان میں ترمیم کر دیتے ہیں اور جن میں زیادتی کی ضرورت سمجھتے ہیں ان میں اضافہ (کرتے ہیں)

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص ۵۰

غرض اس طرح پچھلے بہت سے احکام و مراسم اور لوگوں کے مرغوبات و مالوفات قانون کا درجہ حاصل کرکے نظام الٰہی کا جز بنجاتے ہیں اور حسب سابق ان پر عمل درآمد باقی رہتا ہے۔ اس لیے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو سمجھنے کے لیے مقامی حالات، وقتی اور عصری رجحانات قومی اور جماعتی مزاج کو سمجھنا ضروری قرار دیا جاتا ہے،

اب ہم ہدایت الٰہی کی آخری اور جامع شکل پر کسی قدر تفصیلی بحث کرتے ہیں،

(۱۵) رسول اکرم کی تشریف آوری کے وقت عرب کے قواعد و قوانین کا اجمالی ذکر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے وقت عرب میں حسب ذیل قسم کے قواعد و قوانین جاری تھے۔

(۱) مدعی سے دعویٰ کے ثبوت کے لیے گواہ طلب کیے جاتے تھے، اگر گواہ نہ ہوتے اور مدعی علیہ انکار کرتا تو مدعا علیہ کو قسم دیجاتی تھی،

(۲) جرائم میں سزا کا اصول انتقام تھا، جو دیت یا نقصان کے معاوضہ کی شکل میں بھی ہو سکتا تھا، چور کا داہنا ہاتھ کاٹ ڈالنے کا رواج تھا، زانی کی سزا سنگساری مقرر تھی لیکن بعد میں تیس کوڑوں کی سزا اور منہ کالا کرنے پر اکتفا کر لیا گیا تھا،

(۳) نکاح کے موجودہ مروجہ طریقے کے ساتھ اس کی دوسری صورتیں بھی رائج تھیں جو بدکاری پھیلاتی تھیں اور جن سے خاندان کا شیرازہ بکھرتا تھا، مثلاً عارضی نکاح یا متعہ، تعدد ازدواج کی کوئی حد مقرر نہ تھی، عورت کو خود نکاح کرنے کا حق نہ تھا، بعض محرمات کے ساتھ نکاح کرنے کا بھی دستور تھا، مہر کے سلسلہ میں عورت کا حق محدود تھا، طلاق کے معاملہ میں بالکلیہ آزادی تھی، ایلا، ظہار وغیرہ کی شکلیں رائج تھیں،

(۴) تملیک جائداد (منقولہ وغیر منقولہ) کی مختلف صورتیں رائج تھیں، بیع، ہبہ، رہن، اجارہ وغیرہ کے ذریعہ جائداد کو منتقل کرنے کا حق حاصل تھا،

بیع کی مختلف شکلیں پائی جاتی تھیں، جن میں سے بعض جہالت اور باہمی نزاع پر مبنی تھیں اور بعض جوے اور سٹہ کی شکل میں ظاہر ہوتی تھیں،

مال کا باہمی تبادلہ، بیع صرف، بیع سلم، بیع بالخیار، بیع قطعی، مرابحہ، تولیہ، وضیع، مساومہ، بیع بالقاء الحجر، بیع ملامسہ، بیع منابذہ، بیع مزابنہ، بیع محاقلہ، بیع الوفاء، یہ دو معاملہ ایک معاملہ میں غرض اس قسم کی بہت سی صورتیں رائج تھیں،[1]

(۵) زمین کو اجارہ یا بٹہ پر دینے کا رواج تھا، زمین کا کرایہ نقدی کی صورت میں ہو یا غلہ کی بٹائی کی شکل میں دونوں صورتیں رائج تھیں،

(۶) قرض اور سود کا سلسلہ تھا۔

(۷) وصیت کا دستور تھا، جائداد بھی وصیت کے ذریعہ منتقل ہو سکتی تھی،

(۸) معاملات کے تصفیہ اور احکام کے نفاذ کے لیے کوئی باقاعدہ حکومت قائم نہ تھی بلکہ قبیلہ کا سردار رائے عامہ کے ذریعہ احکام کی تعمیل کراتا تھا، یہی سردار خارجی معاملات میں بھی اپنے قبیلہ کی نمائندگی کرتا تھا، اگر ضرورت سمجھی جاتی تو سردار کی مدد کے لیے معمر لوگوں کی ایک مجلس

[1] بیع صرف: سکہ کی فروخت سکہ کے معاوضہ میں۔ بیع سلم: جس میں قیمت پیشگی دیجائے اور مال بعد میں کسی وقت حوالہ کیا جائے، بیع خیار: جس میں بیع کے توڑ دینے کا اختیار باقی ہو، بیع قطعی: جس میں یہ اختیار نہ ہو، مرابحہ: جو مقررہ نفع پر بیع ہو، تولیہ: جو حقیقی لاگت ہو، وضیع: لاگت سے کم قیمت پر بیع ہو، مساومہ: جو نفع پر بیع ہو، بیع بالقاء الحجر: مبیعہ شے پر پتھر پھینک دینے سے بیع ہو جائے، ملامسہ: چھو دینے سے بیع ہو جائے، منابذہ: دوکاندار کوئی شے مشتری پر پھینک دیتا اور بیع ہو جاتی تھی، مزابنہ: درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کی بیع، توڑی ہوئی کھجوروں کے عوض، محاقلہ: گیہوں کی بیع بالی میں یا بچہ کی بیع رحم مادر میں، بیع بالوفاء: قرضہ واجب الادا کے معاوضہ میں بیع، اس طرح کہ جب قرضہ کی ادائگی ہو تو یہ بیع بھی فسخ ہو جائے گی۔

شوریٰ قائم کر دیجاتی، غرض اس طرح داخلی وخارجی معاملات سردار کے سپرد ہوتے تھے،

(۹) عرب کے قواعد وقوانین کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا طریق کار

ان قواعد وقوانین کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق کار کیا تھا، اور جو انبیاء آپ سے پہلے گذرے ہیں ان کا طریق کار مروجہ قواعد وقوانین کے بارے میں کیا رہا ہے؟ اس پر حسب ذیل تصریحات سے روشنی پڑتی ہے،

حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

والذی اتی بہ الانبیاء قاطبۃ من عند اللہ تعالیٰ فی ھذا الباب ھو ان ینظر الی ما عند القوم من آداب الاکل والشرب واللباس والبناء ووجوہ الزینۃ ومن سنۃ النکاح وسیرۃ المتناکحین ومن طرق البیع والشراء ومن وجوہ المزاجر عن المعاصی وفصل القضایا ونحو ذلک فان کان الواجب بحسب الرای الکلی منطبقا علیہ فلا معنی لتحویل شئ من موضعہ ولا العدول عنہ الی غیرہ بل یجب ان یحث القوم علی الاخذ بما عندھم وان یصوب

انبیاء علیہم السلام اللہ رب العزت کی طرف سے جو احکام وشرائع لائے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ قوم کے آداب معاشرت ومعاملت وغیرہ کے جو قواعد وقوانین پہلے سے موجود ہوتے ہیں ان میں وہ اصلاحی او انتفاعی نقطہ نظر سے نگاہ دوڑاتے ہیں، کھانے پینے کے آداب، لباس، عمارت، زیب وزینت کے طور طریقے، نکاح کے دستور اور آپس میں نکاح کرنے والوں کی سیرت، بیع وشرا کے قاعدہ وقانون اور ان کے علاوہ جرائم سے روک تھام اور معاملات کے تصفیہ وغیرہ کے متعلق اصول وضوابط جو لوگوں میں رائج ہوتے ہیں اگر وہ مجموعی طور پر شریعت کی پالیسی اور رائے کلی کے مطابق ہوتے ہیں تو یہ حضرات ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کرتے ہیں بلکہ

رایصحح فی ذٰلک ویرشد والی ما فیه من المصالح وان لم ینطبق علیه ومست الحاجة الی تحویل شیئ او اخماله لکونه مفضیا الی تأذی بعضهم من بعض او تعمقا فی اللذات الدنیا واعراضا عن الاحسان او من المسلیات التی تودی الی اهمال مصالح الدنیا والآخرة ونحو ذٰلک فلا ینبغی ان یخرج الی ما یباین مالوفهم بالکلیة بل یحول الی نظیر ما عندهم او نظیر ما اشتهر من الصالحین المشهود لهم بالخیر عند القوم[۱]

بلکہ ان کی رائے کو تقویت پہنچانے اور ان پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کی تاکید کرتے ہیں اور اگر وہ کلی پالیسی کے مطابق نہیں ہوتے ان میں انفرادی و اجتماعی ضرر کا اندیشہ ہوتا ہے، لذات دنیوی میں انہماک اور روح شریعت سے اعراض پر مبنی ہوتے ہیں یا دینی و دنیوی مصلحتوں کے فوت ہونے کا خطرہ رہتا ہے جنکی بنا پر ان احکام و مراسم میں تبدیلی یا ان کو محض بالکلیہ ختم کرنے کی ضرورت پڑتی ہے تو ایسی صورت میں بھی یہ حضرات حتی الامکان انکے مرغوبات و مالوفات کی رعایت کرتے ہیں اور بالکلیہ ان کی ضد کی طرف دعوت نہیں دیتے ہیں بلکہ ان کے مماثل و مشابہ جو چیزیں قوم میں رائج ہوتی ہیں یا انکی صالح شخصیتوں کی طرف جو مشہور و منسوب ہوتی ہیں ان کے مماثل [illegible]

ایک اور موقع پر حضرت شاہ صاحب شریعت محمدیہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان کنت ترید النظر فی معانی شریعة رسول الله فحقق اولاً حال الامیین الذین بعث فیهم التی هی مادة تشریعه وثانیاً کیفیة اصلاحه لها بالمقاصد المذکورة فی باب التشریع والتیسیر واحکام الملة[۲]

اگر تم رسول اللہ کی شریعت کی گہرائیوں کو سمجھنا چاہو تو پہلے ان امیوں کے حال کی تحقیق کرو جن میں رسول اللہ مبعوث ہوئے تھے، وہی در اصل آپ کی شریعت کا تشریعی مادہ ہیں، اس کے بعد آپکے اصلاح کی کیفیت سمجھو جو آپ نے ان مقاصد کے تحت تشریع و تیسیر اور احکام ملت کے باب میں کی ہیں،

[۱] حجة الله البالغة ص ۱۰۳

(۷) تشریعی احکام میں دنیا کی ساری قوموں کی نفسیات اور طبعی میلان کی رعایت کی گئی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف عرب کے نہیں بلکہ دنیا کی ساری قوموں کے رسول تھے، اس لیے تشریعی احکام کے اصول قائم کرنے میں جہاں عرب کے قومی اور مقامی مزاج کی رعایت ضروری تھی بعینہ اسی طرح دنیا کی ساری قوموں کی نفسیات اور طبعی میلانات کی رعایت لازمی تھی، اس لیے احکام کی تشریع میں حسب ذیل امور ملحوظ رکھے گئے:

(۱) اس بات کی کوشش کی گئی کہ کوئی ایسا حکم نہ دیا جائے جس میں ناقابل برداشت مشقت ہو،

(۲) لوگوں کی رغبت اور میلان کے پیش نظر بعض ایسے احکام مقرر ہوئے جنھیں قومی عید کے طور پر منایا جائے اور ان میں جائز اور مباح حد تک خوشی منانے اور زیب و زینت کرنے کی اجازت دی گئی،

(۳) طاعات کی ادائیگی میں طبعی رغبت اور میلان کو ملحوظ رکھا گیا اور ان تمام محرکات و دواعی کی اجازت دی گئی جو اس میں مددگار ثابت ہوں بشرطیکہ ان میں کوئی قباحت نہ ہو،

(۴) طبعی طور پر جن چیزوں سے کراہت ہوتی ہے یا طبیعت بار محسوس کرتی ہے اسکو ناپسند کیا گیا،

(۵) حق و استقامت پر قائم رہنے کے لیے تعلیم و تعلم، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو دوامی شکل دی گئی کہ طبیعت کو اسلامی مزاج کے مطابق ڈھالنے میں مدد ملتی رہے۔

[۲] حجة الله البالغة ص ۱۲۳

(۶) بعض احکام کی ادائیگی میں عزیمت اور رخصت کے دو درجے مقرر کیے گئے تاکہ انسان اپنی سہولت کے پیش نظر جس کو چاہے اختیار کرے۔

(۷) بعض احکام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مختلف قسم کے عمل مذکور ہوئے اور حالات کے پیش نظر دونوں پر عمل کی گنجایش رکھی گئی۔

(۸) بعض برائیوں میں مادی نفع سے محروم کرنے کا حکم دیا گیا۔

(۹) احکام کے نفاذ میں تدریجی ارتقا کو ملحوظ رکھا گیا، یعنی نہ ایک ہی وقت میں سارے احکام مسلط کیے گئے اور نہ ہی ساری برائیوں سے روکا گیا۔

(۱۰) تعمیری اصلاحات میں قومی کردار کی پختگی اور خامی کی رعایت کی گئی۔

(۱۱) نیکی کے بہت سے کاموں کی پوری تفصیل بیان کی گئی، اس کو انسانوں کی سمجھ پر نہیں چھوڑا گیا ورنہ بڑی دشواری پیش آتی۔

(۱۲) بعض احکام کے نفاذ میں حالات و مصالح کی رعایت کی گئی اور بعض میں اشخاص و مزاج کی، غرض تشریعی احکام میں غائر نظر ڈالنے سے اس قسم کی بہت سی سہولتیں مل جائیں گی جو عمومی حیثیت سے اختیار کی گئی تھیں، ان میں قومی اور مقامی مناسبت کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔

(۱۰) آیات و احادیث سے اسکا ثبوت | ان تمام باتوں کی بنیاد درج ذیل آیات و احادیث پر ہے۔

(۱) فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران ۱۰)
سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو نرم دل مل گیا ان کو، اور اگر تو ہوتا تند خو سخت دل تو متفرق ہو جاتے تیرے پاس سے۔

(۲) لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا
اللہ کسی شخص کو اس کی قدرت اور طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

(۳) يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ
اللہ آسانی چاہتا ہے، دشواری اور تنگی نہیں چاہتا ہے۔

(۴) مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ
اللہ نے دین کے معاملہ میں تمہارے لیے کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔

(۵) مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ
اللہ نہیں چاہتا کہ تمھیں کسی دشواری میں مبتلا کرے بلکہ اسکا اصلی مقصد تمہیں پاک و صاف کرنا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو دینی معاملات کا انتظام سپرد کرتے وقت فرمایا:

(۱) یسرا ولا تعسرا و بشرا ولا تنفرا و تطاوعا ولا تختلفا (الحدیث)
آسانی کرنا مشکل میں نہ ڈالنا، رغبت دلانا نفرت نہ دلانا، موافقت کے جذبہ کو فروغ دینا اختلاف کی راہ نہ چلنا

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا،

(۲) بعثت بالحنفية السمحة (الحدیث)
میں آسان دین حنیفی دیکر بھیجا گیا ہوں۔

(۳) لا ضرر ولا ضرار في الاسلام
اسلام میں نہ تو کسی کو تکلیف دینا ہے اور نہ خود

مسواک کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

(۴) لولا ان اشق على امتي لامرتهم بالسواك عند كل صلوٰة (الحدیث)
اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میری امت مشقت میں پڑجائیگی تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنیکا وجوبی حکم دیتا

کعبہ کا ایک حصہ (حطیم) کو خانہ کعبہ کے ساتھ شامل کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے حضرت عائشہ نے نے فرمایا:

(۵) لولا حداثة قومك بالكفر
اگر نبی تیری قوم کفر سے اسلام میں نہ داخل

لنقضت الکعبة ونبیتها علی	ہوئی ہوتی تو میں کعبہ کو توڑ کر اساس ابراہیم پر
اساس ابراهیم (الحدیث)	اسکو بناتا (اور حطیم کو اس میں شامل کرتا)

انتخاب کے سلسلہ میں آپ کا عام دستور تھا کہ جب آپ کو دو چیزوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کرنے کا اختیار دیا جاتا تو آپ اس میں آسان تر کو اختیار فرماتے، بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہوتا" وماخیربین شیئین الا اختار ایسر هما مالم یکن اثما" (الحدیث)

(۹) ایک غلطی کا ازالہ | مذکورہ آیتوں میں لفظ وسعت اور حرج کا ذکر آیا ہے، ان دونوں کی تشریح کر دینی ضروری ہے، ورنہ غلط فہمی کا اندیشہ ہے،

مفسرین کہتے ہیں کہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعها کا یہ مطلب ہے،

لا یکلفها الا مایتسع فیه طوقه	اللہ انسان کو اتنی ہی تکلیف دیتا ہے جتنی کہ اسکی
ویتیسر علیه دون مدی	طاقت کے موافق ہوتی ہے اور وہ آسانی کے ساتھ
الطاقة والمجهود[۱]	برداشت کرسکتا ہے ایسا نہیں کہ پوری طاقت
	اور پورا زور لگانا پڑے،

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ سے "حرج" کی تفسیر "ضیق" بمعنی تنگی مروی ہے،[۲]

ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ "دین میں تنگی نہ ہونے کا کیا مطلب ہے، جبکہ ہم بدکاری، چوری اور دوسری بہت سی اپنی خواہشات کی چیزوں سے روک دیئے گئے ہیں، حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا، یہ صحیح ہے، لیکن آیت میں تنگی نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ سخت قسم کے احکام کا جو بوجھ بنی اسرائیل پر تھا، وہ اس امت پر نہیں ہے،[۳]

لفظ "حرج" کی تفسیر ان الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے،

---

[۱] کشاف ص ۲۹۲، تفسیر کبیر ج ۹ ص ۱۲۸ حاشیہ تفسیر کبیر ص ۳۰۰ [۲] ملاحظہ ہو حوالہ بالا [۳] تفسیر کبیر ص ۱۲۸

الحرج من الشجر مالیس له	درختوں کی وہ گھنی جھاڑی جس سے نکلنے کا
مخرج الحرج اضیق الضیق۔	کوئی راستہ نہ ہو اور غیر معمولی تنگی،

مطلب یہ ہے کہ تشریعی احکام کی ادائیگی میں کوئی ایسی دشواری اور تنگی نہیں ہے، جو انسان کی برداشت اور سہار سے باہر ہو، یا ایسی صورت میں اس کا مناسب حل موجود نہ ہو،

یہ مطلب نہیں ہے کہ احکام کی بجاآوری میں کوئی معمولی تکلیف بھی نہیں اٹھانی پڑتی یا کسی دشواری اور تنگی پیش آنے کی صورت میں بالکلیہ آزادی دیدیجاتی ہے اور اس کے مناسب حل کی طرف رجوع کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا ہے، ورنہ پھر انسان کے مکلف ہونے کے معنی ہی بیکار ہوجاتے ہیں اور احکام شرعیہ کا سارا وزن ختم ہو کر رہ جاتا ہے،

گلہائے پریشان

آراستہ الیاس احمد (ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج) ضخامت کتاب ۸۰۰ صفحات تقطیع بڑی، قیمت: ۷ روپیہ ۵۰ نئے پیسے۔ ملنے کا پتہ: کتابستان، الہ آباد

"گلہائے پریشاں" فارسی اور اردو شعرا کے چوٹی کے کلام کا بے مثل گلدستہ ہے، آغاز عشق سے انجام عشق تک جتنے مراحل پیش آتے ہیں، ان کے متعلق سرخیاں قائم کی گئی ہیں۔ اور چیدہ چیدہ منتخب المضامین اشعار ہر سرخی کے تحت میں تقدم اور تاخر کے لحاظ سے درج ہیں۔ مراحل محبت کی سرخیوں کے علاوہ خمریات، مذہبیات، اخلاقیات وغیرہ کے متعلق بکثرت سرخیاں ہیں، اگر کسی شعر کے متعلق کوئی لطیفہ ہے تو وہ بھی درج کر دیا گیا ہے، اساتذۂ سابق کی تیس تصویریں بھی کتاب میں شامل ہیں، اردو ادب میں یہ کتاب دلکش و دلفریب اضافہ ہے، اہل ذوق ملاحظ فرمائیں

ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ

فارابی کی منطق

از جناب شبیر احمد خانصاحب غوری ایم اے۔ ایل ایل بی۔ بی ٹی ایچ، رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی یو پی

(۴)

فارابی کے پیشرو مسلمان منطقین

ہارون الرشید نے ۱۹۳ھ میں وفات پائی اور امین اس کا جانشین ہوا، مگر کچھ دن بعد امین اور مامون میں خانہ جنگی چھڑ گئی، جس کے نتیجے میں امین مارا گیا اور مامون ۱۹۸ھ میں سریر آرائے خلافت ہوا، اس نے علوم و فنون بالخصوص علوم الاوائل (یونانی حکمت) کے نشر و اشاعت پر خاص توجہ مبذول کی، ابن الشاکر الکتبی نے لکھا ہے:

عبد الله بن هارون امير المومنين	عبد اللہ بن ہارون امیر المومنین ابو العباس
ابو العباس المامون	مامون الرشید .... جب
لما كبر عنى بعلوم الاوائل و مهر فى	بڑا ہوا تو یونانی علم و حکمت کے ساتھ
الفلسفة فجره ذلك الى القول	اعتنا کیا اور فلسفہ میں مہارت حاصل کی، اسی چیز
بخلق القرآن [1]	سے وہ قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل ہوگیا۔

اس کی علمی سرپرستی کے متعلق قاضی صاعد اندلسی نے لکھا ہے۔

ثم لما افضت الخلافة الى الخليفة	جب بنو عباس میں سے ساتویں خلیفہ

[1] فوات الوفیات جلد اول ص ۲۳۹

السابع منهم عبد الله المامون	عبد اللہ المامون کو خلافت پہنچی ...... تو جس
...... تمم ما بدأ به جده المنصور	تحریک کا اس کے پردادا نے آغاز کیا تھا، اس
فاقبل على طلب العلم ...... فداخل	اس نے تکمیل تک پہنچایا اور علم کی تلاش و جستجو پر
ملوك الروم واتحفهم بالهدايا	متوجہ ہوا ...... اس نے روم کے بادشاہوں سے خط و کتابت
الخطيرة وسألهم صلته بما لديهم	کی، انھیں بیش قیمت ہدیے اور تحفے بھیجے اور اسکے
من كتب الفلسفة فبعثوا اليه بما	بدلے میں انکے یہاں فلسفہ کی جو کتابیں تھیں، انکی
حضرهم من كتب افلاطون وارسطاطاليس	خواہش کی، چنانچہ سلاطین روم نے افلاطون،
وابقراط وجالينوس واقليدس	ارسطو، بقراط، جالینوس، اقلیدس اور بطلیموس
وبطليموس وغيرهم من الفلاسفة	وغیرہ فلاسفہ کی جو کتابیں ان کے یہاں موجود تھیں،
فاستخار لها مهرة التراجمة وكلفهم	اسے بھیجیں، مامون نے ان کے ترجمے کے لیے ماہر مترجمین
احكام ترجمتها فترجمت له على غاية	کو منتخب کیا، اور انھیں ان کے ترجمہ پر مامور کیا، اس طرح
ما امكن ثم حض الناس على قراءتها	بہترین طور پر ان کتابوں کا ترجمہ ہوا، اور اس نے لوگوں
ورغبهم فى تعليمها فنفقت سوق	کو ان کے پڑھنے پر آمادہ کیا اور انھیں انکی تعلیم کی رغبت
العلم فى زمانه وقامت دولة	دلائی، اس طرح اسکے زمانہ میں علم کا بازار گرم ہوگیا اور
الحكمة فى عصره ...... فاتقن	حکمت کا دور دورہ شروع ہوا، ...... اور اہل علم و فن
جماعة من ذوى الفنون والتعلم	کی ایک جماعت نے اسکے زمانہ میں مختلف علوم و فلسفہ
فى ايامه كثيرا من اجزاء الفلسفة [1]	میں مہارت بہم پہنچائی،

فلسفہ پسندی مامون کے دل و دماغ پر اس درجہ مستولی ہو چکی تھی کہ سوتے جاگتے اسے یونانی حکمت اور

[1] طبقات الامم ص ۷۵-۷۶

حکماء ہی نظر آتے تھے، چنانچہ ایک دن اس نے خواب میں ایک نہایت وجیہ انسان کو تخت پر بیٹھے دیکھا، اس کا بیان ہے کہ "میں نے مرعوب ہو کر اس سے پوچھا آپ کون ہیں، اس نے کہا ارسطاطالیس، یہ سن کر میں خوش ہوا اور کہا میں کچھ دریافت کروں، کہا ضرور، میں نے کہا کیا چیز اچھی ہے، کہا جو عقل میں اچھی ہو، میں نے کہا پھر؟ کہا جسے شریعت اچھا کہے، میں نے کہا پھر؟ کہا جسے لوگ اچھا کہیں، میں نے کہا مجھے کچھ نصیحت کیجئے، کہا توحید کو لازم پکڑو"۔ ابن الندیم کہتا ہے،

فکان ھذا المنام من اوکد الاسباب فی اخراج الکتب فان المامون کان بینہ وبین ملک الروم مراسلات وقد استظھر علیہ المامون فکتب الی ملک الروم یسألہ الاذن فی انفاذ ما یختار من العلوم القدیمۃ المخزونۃ المدخرۃ ببلد الروم فاجاب الی ذلک بعد امتناع فاخرج المامون لذلک جماعۃ ..... فاخذوا مما وجدوا ما اختاروا فلما حملوا الیہ امرھم بنقلہ فنقل[1]

یہ خواب مامون کے لیے یونانی علوم کی کتابیں ترجمہ کرانے میں موکد سبب بن گیا، کیونکہ مامون اور قیصر روم کے درمیان پہلے سے خط و کتابت ہو رہی تھی اور مامون نے اس پر زور ڈالا اور لکھا کہ ملک روم میں علوم قدیمہ کے جو منتخب نسخے خزانوں میں محفوظ ہوں انھیں برآمد کرنے کی اجازت دی جائے، قیصر روم نے پہلے تو انکار کیا لیکن بعد میں راضی ہو گیا، چنانچہ مامون نے اس غرض سے ایک جماعت کو بھیجا ..... یونانی علوم کی جو کتابیں اسکو پسند آئیں انھیں لیا، یہ کتابیں مامون

لیکن سرکاری سرپرستی میں فلسفہ و حکمت کے ساتھ جو اعتنا کیا گیا، اس کی تفصیل سے پیشتر طبقۂ کتاب کی علمی خدمات کا جائزہ لے لیا جائے تاکہ پچھلی صدی کی ترتیب قائم رہ سکے،

طبقۂ کتاب | مامون ۱۹۸ھ میں تخت نشین ہوا، ۲۰۶ھ میں اس نے اپنے سپہ سالار طاہر ذوالیمینین کو خراسان کا گورنر مقرر کیا، جہاں اس نے طاہریہ خاندان کی بنیاد ڈالی، اس خاندان کا ایک شاہزادہ منصور بن طلحہ

۱؎ الفہرست ص ۳۰۹،

اقلیم علم و حکمت کا بھی شاہزادہ تھا، اس کا چچا عبداللہ بن طاہر اس کی فلسفہ دانی کی وجہ سے "حکیم آل طاہر" کہا کرتا تھا، اس کی کتاب "مونس" کو جو موسیقی میں تھی، دیکھ کر کندی نے کہا تھا کہ یہ واقعی اسم بامسمی ہے، اس نے حکمت میں کئی کتابیں لکھیں مثلاً "کتاب الابانۃ عن افعال الفلک، کتاب الوجود، کتاب رسالۃ فی العدد و المعدودات"۔ غالباً اسکی کتاب "کتاب الدلیل و الاستدلال"[1] منطق میں تھی یا اس کے مسائل سے متعلق تھی،

عہد مامونی کے اکثر کتاب اپنے پوشیدہ میلان الی الزندقہ اور ظاہری اسلوب حکیمانہ کے لیے مشہور تھے، مثلاً علی بن عبیدۃ الریحانی جس کے بارے میں ابن الندیم لکھتا ہے،

یسلک فی تصنیفاتہ وتالیفاتہ طریقۃ الحکمۃ وکان یرمی بالزندقۃ[2]

اپنی تصانیف میں فلسفہ و حکمت کا اسلوب اختیار کرتا تھا اور زندقہ و الحاد کے ساتھ متہم تھا،

اسی طرح سہل بن ہارون کے متعلق جو بیت الحکمۃ مامونی کا لائبریرین تھا، لکھتا ہے،

کان حکیماً فصیحاً شاعراً فارسی الاصل شعوبی المذھب[3]

حکیم فصیح اور شاعر تھا، ایرانی نسل کا تھا اور شعوبی مسلک رکھتا تھا،

سہل بن ہارون کا بھائی سعید بن ہارون جو بیت الحکمۃ کے اہتمام میں اس کا شریک کار تھا، وہ بھی حکمت و فلسفہ سے دلچسپی رکھتا تھا، ابن الندیم نے اس کی تصانیف میں "کتاب الحکمۃ" کا ذکر کیا ہے۔[4]

معتضد باللہ (۲۷۹ھ - ۲۸۹ھ) کے عہد حکومت میں ایک مشہور کاتب یزدجرد بن مہبندان الکسروی تھا، اسے فلسفہ سے بڑا شغف تھا، چنانچہ اس فن کی کتابوں سے منتخب کر کے اس نے ایک کتاب توحید باری کے دلائل میں مرتب کی تھی جس کا نام ابن الندیم نے "کتاب الدلائل علی التوحید من کلام الفلاسفہ" بتایا ہے،[5]

معتضد کے جانشین مکتفی باللہ (۲۸۹ھ - ۲۹۵ھ) کے زمانہ میں ایک اور کاتب قدامہ بن جعفر تھا،

۱؎ الفہرست ص ۱۷۰، ۲؎ ایضاً ص ۱۷۳، ۳؎ ایضاً ص ۱۷۴، ۴؎ ایضاً ص ۱۷۴، ۵؎ ایضاً ص ۱۸۵

جو نقد الشعراء اور کتاب الخراج کے مصنف کی حیثیت سے مشہور ہے، ادبی فنون میں مہارت تامہ کے ساتھ اسے منطق و فلسفہ میں بھی تبحر تھا، بالخصوص منطق میں تو وہ سرآمد فضلائے روزگار سمجھا جاتا تھا، ابن الندیم کہتا ہے:۔

وکان قدامة احد البلغاء الفصحاء	قدامہ بلغا اور فصحائے روزگار میں سے تھا، اور
والفلاسفة الفضلاء وممن یشار	باکمال فلاسفہ میں اس کا شمار تھا، وہ ان لوگوں
الیه فی علم المنطق[1]	میں سے تھا جو منطق میں ممتاز سمجھے جاتے تھے،

قدامہ بن جعفر کی منطقی تصانیف میں ابن الندیم ایک کتاب کا ذکر کرتا ہے جسکا نام "صناعة الجدل"[2] ہے،

اس عہد کے کتاب میں ابن الندیم ایک اور کاتب کا ذکر کرتا ہے، جس کا نام ابن سعید قطربلی ہے:

ابوالحسن احمد بن عبید الله بن	ابوالحسن احمد بن عبداللہ بن حسین بن سعید بن
الحسین بن سعید بن مسعود	مسعود قطربلی علماء و افاضل کتاب میں سے
القطربلی من علماء الکتاب و افاضلهم[3]	تھا،

ابن سعید قطربلی کی تصانیف میں ابن الندیم نے ایک کتاب کا ذکر کیا ہے جس کا نام "کتاب المنطق" تھا،

چوتھی صدی کے آغاز میں ایک کاتب ابو عون احمد بن المنجم کا نام ملتا ہے، جو محمد بن علی الشلمغانی کا بڑا مخلص و جان نثار مرید تھا اور ۳۲۲ھ میں اس کے ساتھ زندقہ و الحاد کے الزام میں قتل کیا گیا[4]، وہ اپنے فرقہ کا متکلم اور فلسفہ کا ماہر تھا، ابن الندیم نے اس کی ایک کتاب "کتاب التوحید و اقاویل الفلاسفه"[5] کا ذکر کیا ہے، اس سے قیاس چاہتا ہے کہ وہ فلسفہ کے ساتھ منطق کا بھی عالم ہوگا،

اسی زمانہ میں وزیر علی بن عیسیٰ بن داؤد بن الجراح کا بیٹا ابوالقاسم عیسیٰ بن علی فلسفہ و منطق کے کاملین فن میں محسوب ہوتا تھا، ابن الندیم لکھتا ہے:

[1] الفہرست ص ۱۸۰، [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۱۸۰، [4] کتاب التنبیہ والاشراف المسعودی ص ۳۹۷ [5] الفہرست ص ۲۱۱

ابوالقاسم عیسیٰ بن علی اوحد زمانه	ابوالقاسم عیسیٰ بن علی منطق اور علوم قدیمہ میں
فی المنطق والعلوم القدیمة[1]	یگانۂ روزگار تھا

وزراء و کتاب کو منطق کے ساتھ خصوصی دلچسپی تھی، وہ اپنے گھروں پر بحث و مباحثہ کے لیے مجالس علمیہ منعقد کیا کرتے تھے، اس قسم کی ایک مجلس ۳۲۰ھ میں وزیر ابن الفرات نے اپنے یہاں منعقد کی تھی، اور اس میں مشہور منطقی متی بن یونس اور مشہور نحوی ابوسعید السیرافی کے درمیان منطق و نحو کی افضلیت پر مباحثہ کرایا تھا، اس مجلس میں قدامہ بن جعفر اور خالدی (متکلم) بھی موجود تھے[2]،

سرکاری مترجمین | یوحنا بن ماسویہ کا تذکرہ پچھلی قسط میں آچکا ہے، اسی کے یہاں مشہور مترجم حنین بن اسحاق طب پڑھا کرتا تھا، مگر یوحنا اہل حیرہ سے، جن میں سے حنین بھی تھا، نفرت کرتا تھا، ایک دن اس نے اس کو اپنے یہاں سے نکال دیا، حنین اس ذلت سے بہت متاثر ہوا اور یونانی زبان میں اتنی مہارت اور طب و دیگر علوم میں اتنا تبحر بہم پہنچایا کہ وقت کا سرجوس الرأسعینی شمار ہونے لگا، جبرئیل بن بختیشوع نے اس کی تعریف میں کہا تھا:

والله لئن مدله فی العمر لیفضحن سرجس	قسم بخدا اگر یہ بڑی عمر کو پہنچا تو یہ سرجیس (راس عینی)
ولیفضحن غیره من المترجمین[3]	اور دوسرے مشاہیر مترجمین کو مات کردے گا۔

ایسے نادر روزگار جوہر کی تربیت سے مامون کیونکر بے اعتنائی کرسکتا تھا، چنانچہ جب اس نے اپنے مشہور خواب میں ارسطو کی زیارت کی اور قیصر روم سے یونانی علم و حکمت کی کتابیں منگائیں تو نقل و ترجمہ کا کام حنین کے سپرد کیا، اس کے معاوضہ میں حنین کو ترجمہ کے وزن کے برابر سونا ملا کرتا تھا، ابن الندیم اس کی زباندانی کے بارے میں کہتا ہے:

وکان فاضلاً فی صناعة الطب فصیحاً	طب میں فاضل باکمال اور یونانی، سریانی اور عربی
باللغة الیونانیة والسریانیة والعربیة	زبانوں میں فصیح و بلیغ تھا، مختلف شہروں میں

[1] الفہرست ص ۱۸۶ [2] معجم الادباء جلد ثالث ص ۱۰۵ [3] طبقات الاطباء جلد اول ص ۱۸۶

دار البلاد فی جمع الکتب القدیمة ودخل بلاد الروم واکثر نقوله لبنی موسیٰ[1]

کتابوں کی تلاش میں گھومتا تھا، بلاد روم میں بھی گیا تھا، اس نے زیادہ تر تراجم بنو موسیٰ بن شاکر کے لیے کیے،

عربی زبان میں وہ خلیل بن احمد کا شاگرد تھا، اسی نے خلیل کی کتاب العین کو سب سے پہلے بغداد میں روشناس کرایا، خلیل کے بعد اس نے عربیت کی تکمیل سیبویہ سے اور یونانی زبان کی تکمیل اسکندریہ میں جاکر کی،

ابن ابی اصیبعہ کہتا ہے:

وتعلم لسان الیونانیین بالاسکندریة وکان جلیلاً فی ترجمته وهو الذی اوضح معانی کتب لبقراط وجالینوس[2]

اس نے اسکندریہ جاکر یونانی زبان سیکھی اور اسے ترجمہ کرنے میں بڑا ماہر تھا، اسی نے بقراط اور جالینوس کی کتابوں کے مغلق و مشکل مقامات کی توضیح کی۔

حنین بن اسحاق سریانی ادب میں نویں صدی مسیحی کے مشاہیر مترجمین میں شمار ہوتا ہے، اسکی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، یہاں اس کی عربی تصانیف ذکر کی جاتی ہیں، حسب تصریح ابن الندیم: اس نے قاطیغوریاس ارسطو کا عربی میں ترجمہ کیا تھا، نیز ثامسطیوس نے قاطیغوریاس کی جو شرح لکھی تھی حنین نے اسکا بھی عربی میں ترجمہ کیا تھا، باری ارمینیاس کی تلخیص لکھی تھی، انالوطیقا کا جو ترجمہ تیاذورس نے کیا تھا حنین نے اس پر اصلاح کی تھی، ان کے علاوہ اس نے منطق پر مستقل کتابیں بھی لکھی تھیں۔

مسائل مقدمة لکتاب فرفوریوس المعروف بالمدخل وینبغی ان یقرء قبل کتاب فرفوریوس:

غالباً یہ ایساغوجی کی تقریب تسہیل کے لیے ایک تعارفی مقدمہ تھا،

مسائل استخرجها من کتب المنطق الاربعة

کتاب فی المنطق

[1] الفہرست ص ۳۰۹ [2] طبقات الاطبا، جلد اول ص ۱۸۵

حنین کے دو بیٹے تھے، داؤد اور اسحاق، داؤد نے صرف طبابت میں شہرت حاصل کی، مگر اسحاق نے باپ کی روایات کو باقی رکھا، ابن الندیم کہتا ہے:

ابو یعقوب اسحاق بن حنین فی مجار ابیه فی الفضل وصحة النقل من اللغة الیونانیة والسریانیة الی العربیة وکان فصیحا بالعربیة یزید علی ابیه فی ذلك[1]

ابو یعقوب اسحٰق بن حنین فضل و کمال اور یونانی و سریانی زبانوں سے عربی میں ترجمہ کرنے میں اپنے باپ کے مثل تھا، عربی زبان میں فصیح تھا، اور اس میں وہ اپنے باپ پر بھی فوقیت رکھتا ہے۔

حنین کے برعکس اسحٰق کا رجحان طب کی طرف کم اور فلسفہ و حکمت کی جانب زیادہ تھا، ابن ابی اصیبعہ کہتا ہے،

کان یلحق بابیه ..... الا ان نقله لکتب الطبیة قلیل جداً بالنسبة الی ما یوجد من کثرة نقله من کتب ارسطوطالیس فی الحکمة وشروحها الی لغة العرب[2]

اپنے باپ کے مانند تھا... البتہ طب میں اسکے تراجم ان ترجموں کے مقابلے میں بہت کم ہیں جو اس نے فلسفہ میں ارسطو کی کتابوں اور ان کے شروح کے عربی میں کیے تھے۔

اسحاق بن حنین نے حسب تصریح ابن الندیم باری ارمینیاس کا عربی میں ترجمہ کیا تھا، کہا جاتا ہے کہ اس نے ریطوریقا (کتاب الخطابة) کا بھی عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے منطق میں حسب ذیل کتابیں اور لکھی تھیں،

مختصر قاطیغوریاس: ابن الندیم قاطیغوریاس کے مختصرات و جوامع لکھنے والوں میں اسحٰق کا بھی نام لیتا ہے،

مختصر باری ارمینیاس: باری ارمینیاس کے مختصر نویسوں میں بھی ابن الندیم نے اسحٰق کا نام لیا ہے،

[1] الفہرست ص ۲۸۵ [2] طبقات الاطبا، جلد اول ص ۲۰۰

کتاب ایساغوجی: (وھو المدخل الی صناعۃ المنطق)

بعد کے مترجمین میں دو شخص خصوصیت سے قابل ذکر ہیں: ثابت بن قرۃ الحرانی اور قسطا بن لوقا البعلبکی،

ثابت بن قرہ حران میں صراف تھا، جب محمد بن موسیٰ بن شاکر روم سے واپس آیا تو ثابت بن قرہ اس کی سرکار میں ملازم ہو گیا۔ اور اس سے تعلیم حاصل کی، آخر میں محمد بن موسیٰ نے اسے معتضد باللہ کے دربار میں باریاب کرایا، اور منجمین کے زمرے میں داخل ہوا، اس کے تبحر علمی اور مہارت لسانی کے متعلق ابن ابی اصیبعہ لکھتا ہے:

لم یکن فی زمن ثابت بن قرۃ من	ثابت بن قرہ کے زمانہ میں کوئی شخص طب
یماثلہ فی الطب ولا فی غیرہ من	اور دیگر علوم فلسفہ میں اس کے مثل
جمیع اجزاء الفلسفۃ[۱]	نہیں تھا۔
وکان جید النقل الی العربی حسن	وہ عربی میں بہترین ترجمہ کرتا تھا، اسکی تحریر
العبارۃ وکان قوی المعرفۃ	دلکش تھی، سریانی اور دیگر زبانوں سے
باللغۃ السریانیۃ وغیرھا[۲]	بہت اچھی طرح واقف تھا،

ثابت بن قرہ نے حسب تصریح ابن ابی اصیبعہ مندرجۂ ذیل کتابیں منطق میں لکھی تھیں:

(۱) اختصار القاطیغوریاس (۲) جوامع کتاب باری ارمینیاس (۳) جوامع کتاب انالوطیقا، (۴) کتاب فی التصرف فی اشکال القیاس (۵) نوادر محفوظہ من طوبیقا (۶) کتاب فی اغالیط السوفسطائیین، (۷) کتاب المدخل الی المنطق (۸) اختصار المنطق۔

قسطا بن لوقا مشاہیر مترجمین و حکماء میں سے تھا، ابن الندیم اسے حنین پر بھی فضیلت دیتا تھا،

قسطا بن لوقا البعلبکی وقد کان	قسطا بن لوقا بعلبکی اپنے علم و فضل اور طبابت

۱؎ طبقات الاطباء، جلد اول ص ۲۱۵ ۲؎ ایضاً ص ۲۱۶

یجب ان یقدم علی حنین لفضلہ	میں کمال کی بنا پر اس بات کا مستحق ہے کہ اسے
وتقدمہ فی صناعۃ الطب	حنین بن اسحٰق پر بھی فضیلت دیجائے .....
وکلا الرجلین فاضل وقد ترجم	یہ دونوں شخص فاضل ہیں، قسطا نے بہت سی
قسطا قطعۃ من الکتب القدیمۃ	قدیم کتابوں کا ترجمہ کیا تھا، وہ بہت سے
وکان بارعاً فی علوم کثیرۃ منھا	علوم میں با کمال تھا، مثلاً طب، فلسفہ،
الطب والفلسفۃ والھندسۃ	ہندسہ، علم الاعداد اور موسیقی، اس پر
والاعداد والموسیقی لا یطعن	اعتراض کی گنجایش نہیں ہے، یونانی
علیہ فصیحاً باللغۃ الیونانیۃ	زبان کا فصیح تھا اور عربی میں اس کا
جید العبارۃ بالعربیۃ[۱]	طریق بیان عمدہ تھا،

قسطا نے طب اور ریاضیات کے علاوہ منطق میں بھی کئی کتابیں لکھی تھیں، مثلاً (۱) کتاب المدخل الی المنطق (۲) کتاب فی عبارۃ کتب المنطق وھو المدخل الی کتاب ایساغوجی۔[۲]

سرکاری سرپرستی میں ترجمہ کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، ان کی تفصیل ابن الندیم نے الفہرست میں دی ہے، مندرجۂ ذیل مترجمین منطق کے سلسلے میں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں:

(۱) ایوب بن القاسم الرقی: اس نے ایساغوجی کا عربی میں ترجمہ کیا تھا، معلوم نہیں اسی ایوب نے یا کسی دوسرے ایوب نے جبرئیل بن بختیشوع کے لیے جالینوس کی کتاب البرہان کا ترجمہ کیا تھا، ابن ابی اصیبعہ کہتا ہے:

کتاب البرھان ... وقد کان جبرئیل	کتاب البرہان ... جبرئیل بن بختیشوع
ایضاً وجد منہ مقالات	کو بھی اس کے کچھ مقالے ملے .....

۱؎ الفہرست ص ۴۱۰ ۲؎ طبقات الاطباء جلد اول ص ۲۴۵

(ترجم له ایوب ماوجد منها[۱]) ان کا ترجمہ ایوب نے جبرئیل کے واسطے کیا تھا،

(۲) ابو عثمان، سعید بن یعقوب الدمشقی (۳۰۰ھ کے قریب) علی بن عیسیٰ کا خاص مترجم تھا، اس نے فرفوریوس کی ایساغوجی نیز کتاب المدخل الی القیاسات الحملیہ کا ترجمہ کیا تھا، ابو عثمان دمشقی کے ترجمۂ ایساغوجی کا واحد مخطوطہ پیرس کی قومی لائبریری میں موجود ہے (نمبر ۲۳۴۶) اسے اہوانی نے "Isagoge Traduit par Abu Osman Al Dimichki" کے نام سے ۱۹۵۲ء شائع کر دیا ہے، ابو عثمان نے طوبیقا (کتاب الجدل) کے پہلے سات مقالوں کا بھی عربی میں ترجمہ کیا تھا[۲]،

(۳) تیاذورس: نے انالوطیقا (کتاب القیاس) کا عربی میں ترجمہ کیا تھا، اس ترجمہ پر حنین نے اصلاح دی تھی[۳]،

(۴) ابراہیم بن عبد اللہ: نے ریطوریقا (کتاب الخطابۃ) کا عربی میں ترجمہ کیا تھا[۴]، اس نے طوبیقا (کتاب الجدل) کے آٹھویں مقالے کا بھی ترجمہ کیا تھا[۵]،

(۵) ابراہیم بن بکوس العشاری: طبابت کا پیشہ کرتا تھا لیکن ترجمہ میں بھی مہارت تامہ رکھتا تھا، اس نے سوفسطیقا (کتاب الحکمۃ المموہۃ) کا عربی ترجمہ کیا تھا، یہ ترجمہ عبد المسیح ابن ناعمہ کے ترجمہ (سریانی) سے بطریق اصلاح منقول تھا[۶]،

ان لوگوں کے علاوہ ارسطاطالیسی منطق کے اور بھی مترجمین تھے، جن کی جانب جاحظ نے اپنے حسب ذیل قول میں اشارہ کیا ہے:

"فمتی کان ابن البطریق و ابن ناعمۃ و ابو قرۃ و ابن فہر و ابن وہیلی و ابن المقفع مثل ارسطاطالیس"[۷]

(۶) ابو زکریا یحییٰ بن البطریق: حسن بن سہل کی سرکار سے وابستہ تھا،

(۷) عبد المسیح بن ناعمہ الحمصی: اثولوجیا کے مترجم کی حیثیت سے مشہور ہے، اس کی منطقی تصانیف کا اوپر ذکر آچکا ہے،

---

[۱] طبقات الاطبا جلد اول ص ۲۰۰، [۲] الفہرست ص ۲۴۹، [۳] ایضاً ص ۲۴۸، [۴] ایضاً ص ۲۴۹، [۵] ایضاً ص ۲۴۹، [۶] ایضاً، [۷] ایضاً

(۸) ابو قرہ: غالباً تیاذورس (Theodore) کی کنیت تھی، ممکن ہے یہ انالوطیقا کا مترجم ہو جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔

(۹) ابن فہر: غالباً ابن بہریز کی تحریف ہے جس کا پورا نام عبد یشوع (حبیب) ابن بہریز تھا، ابن الندیم نے اس کی تصانیف میں قاطیغوریاس اور باری ارمینیاس کی مختصرات کو گنایا ہے[۱]

(۱۰) ابن وہیلی: غالباً ابن تیوفیلی (Theophilus) کی تحریف ہے، تیوفیلی کا پورا نام تیوفیل بن توما الحمصی تھا جو مہدی (۱۵۸ھ۔۱۶۹ھ) کا منجم خاص تھا اور جس نے سوفسطیقا ے ارسطو کا سریانی میں ترجمہ کیا تھا اسی سریانی ترجمہ سے چوتھی صدی کے اواخر میں یحییٰ بن عدی نے عربی میں ترجمہ کیا تھا[۲]۔

(۱۱) ابن المقفع: عبد اللہ بن المقفع کے منطقی تراجم کا ذکر پچھلی قسط میں آچکا ہے[۳]

کندی اور اس کا اسکول

فلسفہ و حکمت کے ساتھ بحیثیت علم کے مشائی مدرسہ کے متاخرین نے خاص اعتنا و اہتمام برتا، اسی مدرسہ کا مشہور نمایندہ فارابی تھا، مگر اس مدرسہ کی علمی و فلسفی خدمات کی تفصیل سے قبل حکمائے اسلام کی ایک اور جماعت کی منطقی کاوشوں کا جائزہ لے لینا مناسب معلوم ہوتا ہے، اس جماعت کا گل سرسبد کندی ہے۔

ابو یوسف یعقوب بن اسحاق الکندی عرب نسل کا سب سے بڑا فیلسوف اور عالم اسلام کا پہلا فلسفی ہے۔ ابن الندیم کہتا ہے،

فاضل دھرہ و واحد عصرہ	اپنے زمانہ کا فاضل اور تمام علوم قدیمہ کی معرفت
فی معرفۃ العلوم القدیمۃ	و دانائی میں یکتائے روزگار تھا، فیلسوف العرب
یاسمی ھادیسمی فیلسوف العرب	کے نام سے موسوم تھا، اس کی تصانیف مختلف

---

[۱] الفہرست ص ۲۴۴، [۲] ایضاً ص ۲۴۹، [۳] دیکھئے معارف بابت جنوری ۱۹۵۸ء

عربی	اردو
وکتبه فی علوم مختلفة مثل المنطق	علوم میں ہیں مثلاً منطق و فلسفہ .....
والفلسفة ...... وغیر ذالک[1]	وغیرہ،

ابن ابی اصیبعہ نے اس کے بارے میں سلیمان بن حسان سے نقل کیا ہے،

عربی	اردو
کان شریف الاصل بصری	ایک معزز خاندان کا رکن تھا، بصری میں پیدا
انتقل الی بغداد وهناک تادب	ہوا .... پھر بغداد میں چلا آیا اور وہیں تعلیم حاصل
وکان عالماً بالطب والفلسفة و	کی، طب، فلسفہ، علم الحساب، منطق، موسیقی، ہندسہ
علم الحساب المنطق وتالیف اللحون	نظریۂ اعداد اور نجوم کا عالم تھا، اسلام میں اس
والهندسة وطبائع الاعداد	کے سوا اور کوئی فیلسوف نہیں ہوا، اپنی تصانیف
والنجوم ولم یکن فی الاسلام فیلسوف	میں ارسطو کی پیروی کرتا تھا مختلف علوم
غیره احتذی فی توالیفه حذو	میں کثیر التعداد کتابیں لکھیں، بادشاہوں کی
ارسطوطالیس وله توالیف کثیرة	دربارداری کی اور بڑے ادب سے کی، فلسفہ کی بہت سی
فی فنون من العلم وخدم الملوک	کتابوں کا ترجمہ کیا، انکی مشکلات کو واضح کیا
فباشرهم بالادب ترجم من کتب	دشوار طلب مسائل کو مختصر کیا اور مفصلات
الفلسفة الکثیرة واوضح منها	کی توضیح کی۔
المشکل ولخص المستصعب و	
بسط العویص[2]	

لیکن نہ تو کسی نے اس کے سال پیدائش و وفات کو لکھا ہے اور نہ یہ بتایا ہے کہ وہ کس مکتب فکر سے تعلق رکھتا تھا اور کس سے تعلیم حاصل کی، عہد حاضر میں فلوگل نے اس کا سال وفات ۲۶۰ھ مطابق ۸۶۱ء

[1] الفہرست ص ۳۵۷ [2] [3] طبقات الاطباء جلد اول ص ۲۰۷

۸۶۷ء قرار دیا ہے، اور اطالوی مستشرق و فلسفی "ناجی" نے ۲۶۰ھ مطابق ۸۷۳ء تجویز کیا ہے، اور یہ رائے ظاہر کی ہے کہ وہ مامون کی تخت نشینی (۱۹۸ھ) کے وقت سن شعور کو پہنچ چکا تھا، اس لیے اس کی عمر ستر سال ہونا چاہیے۔ مگر اس کے تلمذ کی اصل پردۂ خفا میں مستور ہے، ابن جلجل کی تحریر سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بغداد آکر تعلیم حاصل کی، مگر کس سے؟ اس کا ادنیٰ اشارہ بھی نہیں ملتا، بہرحال چونکہ اس کا نظری میلان علوم عقلیہ کی جانب تھا، لہٰذا وہ بجائے خود ایک نئی جماعت "حکمائے اسلام" کا بانی ہے، جس پر ارسطو کا اثر غالب ہے۔ گولڈ زیہر کہتا ہے،

"الکندی (۲۶۰ھ وفات) ایسے عربی فلسفی کے نام سے مشہور ہے جس نے اس دائرے میں ارسطاطیلیت کے راستے میں سب سے پہلا قدم اٹھایا۔"[1]

دی بوائر کہتا ہے:

"روایات اس کی بابت کہتی ہیں کہ وہ پہلا شخص تھا جس نے اپنی تصانیف میں ارسطو کی پیروی کی ہو، یہ سچ ہو کہ یہ قول بے بنیاد نہیں ہو، اس کی کتابوں کی طویل فہرست میں معتدبہ حصہ ارسطو کے ذکر کا ہے، وہ صرف ترجمہ پر اکتفا نہیں کرتا تھا، بلکہ جن کتابوں کا ترجمہ کرتا تھا ان کا دقت نظر سے مطالعہ، اصلاح اور شرح بھی کرتا تھا، بہرحال ارسطو کی طبعیات اور سکندر افرودیسی کی شرح کا اس پر گہرا اثر پڑا۔"[2]

کندی چھوٹی بڑی متعدد کتابوں کا مصنف ہے، جس کی تفصیل ابن الندیم اور بعد کے مورخین فلسفہ نے کئی صفحات میں دی ہے۔ ان میں سے منطق میں اس نے حسب ذیل کتابیں لکھی ہیں:

(۱) کتاب رسالة فی المدخل المنطقی باستیفاء القول فیه: غالباً یہ ایساغوجی کا مبسوط اڈیشن تھا،

(۲) کتاب رسالة فی المدخل المنطقی باختصار وایجاز: غالباً یہ ایساغوجی کی تلخیص تھی،

[1] قرون وسطی کا اسلامی فلسفہ از آگناس گولڈ سیہر صفحہ ۲۱ [2] تاریخ فلسفہ اسلام از دی بوائر صفحہ ۰

(۳) کتاب رسالۃ فی المقولات العشر: غالباً یہ قاطیغوریاس کی تلخیص تھی، جس کا ابن الندیم نے "الکلام علی قاطیغوریاس" کے ضمن میں اس کتاب کی مختصرات و جوامع کے سلسلے میں ذکر کیا ہے۔[۱]

(۴) مختصر باری ارمینیاس: اس کا ذکر ابن الندیم نے کندی کے حال میں تو نہیں کیا، مگر الکلام علی باری ارمینیاس کے ضمن میں اس کی جوامع کے اندر اس کا نام لیا ہے۔

(۵) تفسیر انالوطیقا: اس کا ذکر بھی ابن الندیم نے کندی کے حال میں نہیں کیا، مگر الکلام علی انالوطیقا کے ضمن میں کہا ہے۔ "وللکندی تفسیر ہذا الکتاب"۔

(۶) کتاب رسالۃ فی الابانۃ عن قول بطلیموس (طالیس) فی اول کتابہ المجسطی عن قول ارسطا فی انالوطیقا: انالوطیقا کے کسی مسئلہ کی توضیح پر تھی، اس لیے اوپر کی کتاب سے مختلف ہوگی۔

(۷) کتاب رسالۃ بایجاز و اختصار فی البرہان المنطقی

(۸) کتاب رسالۃ فی الاحتراس من خدع السوفسطائین: غالباً یہ سوفسطیقا کی تفسیر تھی جس کے لیے ابن الندیم الکلام علی سوفسطیقا کے ضمن میں کہتا ہے "وللکندی تفسیر ہذا الکتاب"

(۹) مختصر ابوطیقا: اس کا حوالہ بھی ابن الندیم نے الکلام علی ابوطیقا کے ضمن میں دیا ہے "وللکندی مختصر فی ہذا الکتاب"

ان کتابوں کے علاوہ ابن الندیم کندی کے حال میں اس کی منطقی تصانیف کے ضمن میں تین اور کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

(۱۰) کتاب رسالۃ فی الاصوات الخمسۃ: ممکن ہے یہ "الالفاظ الخمسۃ" (Five Predicables) پر ہو اور اس طرح ایساغوجی کا کوئی تیسرا اڈیشن ہو،

(۱۱) کتاب رسالۃ فی سمع الکیان: غالباً اس کتاب کو اس عنوان کے تحت ثبت کرنے میں الفہرست کے ناسخین و کاتبین سے تسامح ہوا ہے، کیونکہ "سمع الکیان" کی بحث طبیعیات سے متعلق ہے۔

(۱۲) کتاب رسالۃ فی انہ مخرجۃ الجوامع[۱] (؟)

لیکن اس کثرت تصنیف و تالیف کے باوجود بقول محققین کندی کی فکر میں گہرائی اور بیان میں متانت نہیں تھی چنانچہ قاضی صاعد اندلسی نے اس کی منطقی تالیفات کے متعلق لکھا ہے:

ومنہا کتبہ فی المنطق وھی کتب	اس کی تصانیف میں اس کی منطقی کتابیں ہیں،
قد نفقت عند الناس نفاقاً	جو لوگوں میں بہت زیادہ رائج ہیں، لیکن ان سے
عاماً وقلما ینتفع بہا فی العلوم	تحصیل علم میں بہت کم فائدہ ہوتا ہے کیونکہ
لانہا خالیۃ من صناعۃ التحلیل	وہ صناعت تحلیل سے جس کے بغیر کسی مسئلے
التی لا سبیل الی معرفۃ الحق	میں حق کو باطل سے ممیز کرنے کی کوئی سبیل
من الباطل فی کل مطلوب الا بہا	نہیں ہے، خالی ہیں، رہی صناعت ترکیب
واما صناعۃ الترکیب وھی التی	جو کندی کی کتابوں کا مقصد ہے تو اس سے
قصد یعقوب فی کتبہ ھذہ	سوائے اس شخص کے جس کے پاس مقدمات
الیہا فلا ینتفع بہا الا من کانت	ہوں اور ان کے ذریعہ ترکیب ممکن ہو سکے
عندہ مقدمات فحینئذ یمکن	اور کوئی شخص فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اور
الترکیب ومقدمات کل مطلوب	کسی مسئلے کے مقدمات صناعت تحلیل کے بغیر
لا توجد الا بصناعۃ التحلیل	حاصل نہیں ہو سکتے، معلوم نہیں کس
ولا ادری ما حمل یعقوب علی	چیز نے کندی کو اس جلیل القدر صناعت
الاضراب عن ھذہ الصناعۃ	سے اعراض پر آمادہ کیا، کیا وہ اس کی
الجلیلۃ ھل جہل مقدارہا	قدر و قیمت سے ناواقف تھا یا اس کے

[۱] الفہرست ص ۳۵۸

او ضن علی الناس بکشفه وای	انکشاف میں بخل کرنا چاہتا تھا، کچھ بھی وجہ ہو
ھذین کان فھو نقص فیه [1]	یہ اس کی کوتاہی تھی،

بہر حال اس صناعۃ تحلیل کی کمی کی تلافی آگے چل کر فارابی نے کی، چنانچہ قاضی صاعد نے فارابی کی منطقی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی کتابوں کے بارے میں لکھا ہے،

منبهة علی ما اغفله الکندی	کندی وغیرہ سے صناعت تحلیل اور طرق تعلیم کے
وغیرہ من صناعة التحلیل وانحاء	استعمال میں جو غفلت ہوئی تھی، فارابی کی
التعالیم [2]	کتابوں میں ان پر تنبیہ ہے۔

اس کی تفصیل فارابی کی منطقی خدمات کے سلسلے میں آئے گی،

کندی کے سلسلہ تلمذ کی اصل مجہول ہے لیکن اس نے حکمائے اسلام کے ایک مستقل سلسلے کی بنیاد ڈالی، اس کے شاگردوں میں احمد بن الطیب السرخسی خاص شہرت کا مالک ہے، وہ معتضد (۲۷۹ھ تا ۲۸۹ھ) کا ندیم، راز دار اور طبیب خاص تھا، قاضی صاعد اندلسی نے مسلمان منطقیوں کے ذکر میں کندی کے بعد لکھا ہے:

ومنهم احمد بن الطیب السرخسی	ان میں سے ایک احمد بن طیب سرخسی ہیں جو کندی
تلمیذ یعقوب بن اسحٰق الکندی	کا شاگرد اور علوم فلسفہ کے ماہرین میں سے تھا،
احد المتقنین فی علوم الفلسفة	موسیقی اور منطق وغیرہ میں عمدہ تصانیف
وله تالیف جلیلة فی الموسیقی	کا مصنف ہے، اس کا طریق بیان اچھا
والمنطق وغیر ذلك حسنة العبارة	اور تلخیص و اختصار نہایت نفیس
جیدة الاختصار [3]	ہے۔

---

[1] طبقات الامم ص ۲۵ [2] ایضاً ص ۴۸ [3] ایضاً ص ۳۵

اس سے پہلے ابن الندیم نے الفہرست میں لکھا تھا:

ھو ابو العباس احمد بن مروان	اس کا نام ابو العباس احمد بن مروان سرخسی ہے
السرخسی ممن ینتمی الی الکندی	وہ ان لوگوں میں سے ہے جو کندی کی طرف منسوب
وعلیه قرأ ومنه اخذ	تھے، اسی سے پڑھا اور علم حاصل کیا .....
وکان متقننا فی علوم القدماء	یونانیوں اور عربوں کے اکثر علوم میں کمال
والعرب حسن المعرفة جید	رکھتا تھا، اچھا ماہر طباع بلیغ اور قابل
القریحة بلیغ اللسان ملیح التصنیف والتالیف [1]	مصنف تھا،

احمد بن الطیب السرخسی پہلے معتضد کا معلم تھا، پھر محرم راز ندیم ہو گیا لیکن ۲۸۶ھ میں معتضد نے اسے قتل کرا دیا، اس کے قتل کا سبب ابن الندیم اور بعد کے مورخوں نے "وکان الغالب علی احمد علمه لا عقله" (سرخسی پر اس کو عقل سے زیادہ اس کے علم کا غلبہ تھا) کہکر افشائے راز کہا ہے یا قوت نے تصریح کی ہے کہ وہ معتضد کو الحاد کی ترغیب دیا کرتا تھا، چنانچہ لوگوں کے پوچھنے پر معتضد نے اصل سبب بتایا،

ویحك انه دعانی الی الالحاد	غارت ہو وہ مجھے الحاد و بیدینی کی دعوت
فقلت له یا هذا انا ابن عم صاحب	دیتا تھا، میں نے اس سے کہا اے شخص میں
هذه الشریعة وانا الآن منتصب	اس شریعت (اسلام) کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
منصبه فالحد حتی اکون من [2]	کے چچا کی اولاد ہوں اور اب انکا جانشین ہوں
	اگر میں بھی الحاد و بیدینی اختیار کروں تو پھر میرا کیا

بہر حال احمد بن طیب سرخسی نے منطق میں متعدد کتابیں لکھی تھیں،

(۱) اختصار کتاب قاطیغوریاس: ابن الندیم نے بھی "الکلام علی قاطیغوریاس" کے تحت

---

[1] الفہرست ص ۳۶۵-۳۶۶ [2] معجم الادباء جلد اول ص ۱۲۵

قاطیغوریاس کے مختصر نویسوں میں احمد بن الطیب کا نام لیا ہے،

(۲) اختصار کتاب باری ارمینیاس: "الکلام علی باری ارمینیاس" کے ضمن میں بھی ابن الندیم نے احمد بن الطیب کا نام باری ارمینیاس کے مختصر نویسوں میں بیان کیا ہے،

(۳) اختصار کتاب انالوطیقا الاولی (۴) اختصار کتاب انالوطیقا الثانیہ

ابن ابی اصیبعہ نے ان کتابوں کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں اسکی طرف منسوب کی ہیں:[1]

(۵) اختصار کتاب ایساغوجی لفرفوریوس (۶) کتاب سوفسطیقا لارسطوطالیس (۷) کتاب الی بعض اخوانہ فی القوانین العامۃ الاولی فی الصناعۃ الدیالقطیقیہ ای الجدلیۃ علی مذہب ارسطوطالیس، (۸) کتاب فی الفرق بین نحو العرب والمنطق۔

کندی کے اسکول ہی کا ایک غیر معروف رکن ابوزید بلخی (۲۳۵ھ۔۳۲۲ھ) ہے، جو فلسفی سے زیادہ ادیب کی حیثیت سے مشہور ہے، ابن الندیم لکھتا ہے:

کان فاضلاً فی سائر العلوم القدیمۃ والحدیثۃ یسلک فی تصنیفاته و تالیفاته طریقۃ الفلاسفۃ الا انه باهل الادب اشبه والیهم اقرب[2]

تمام قدیم وجدید علوم کا فاضل تھا، اپنی تصانیف میں فلاسفہ کے طریقہ پر چلتا تھا، مگر وہ اہل ادب کے ساتھ زیادہ مشابہ اور ان سے زیادہ قریب ہے۔

اس ادیب فلسفی نے تحصیل علم کے لیے مختلف ممالک کا سفر کیا، اور اس سیاحت میں عراق بھی گیا جہاں اس نے کندی کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا، یاقوت نے معجم الادبا میں لکھا ہے،

احمد بن سهل البلخی ابوزید کان فی عنفوان شبابه ...... دعته

ابوزید احمد بن سہل بلخی کو عنفوان شباب میں ...... سیر و سیاحت کی خواہش دامنگیر ہوئی

[1] طبقات الاطبا جلد اول ص ۱۱۵ [2] الفہرست ص ۱۹۸

نفسه الی ان یسافر و یدخل الی العراق ... وتتلمذ لابی یوسف یعقوب بن اسحاق الکندی وحصل من عنده علوماً جمة وتعمق فی علم الفلسفة وهجم علی اسرار التنجیم والهیئة وابرز فی علم الطب والطبائع[1]

اور وہ ملک عراق میں پہنچا، وہاں اس نے ابویوسف یعقوب بن اسحاق کندی کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا، اور اس سے بہت سے علوم حاصل کیے، علم فلسفہ میں غور و خوض کیا، نجوم و ہیئت کے اسرار کو کھولا اور علم طب اور طبعیات میں کمال حاصل کیا،

ابوالقاسم بلخی اس کا ہم سبق تھا، وہ اس کے تبحر فی المنطق کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس میں انہماک کے باوجود اس کی دینداری میں فرق نہیں آیا اور الحاد سے محفوظ رہا، ابن الندیم کہتا ہے:

وکان یرمی ابوزید بالالحاد ویحکی عن البلخی انه قال هذا الرجل مظلوم یعنی ابا زید وهو موحد انا اعرف به من غیری وانا نشأنا معاً وانما اتی من المنطق وقد قرأنا المنطق وما الحدنا بحمد الله[2]

ابوزید الحاد و بیدینی کے ساتھ متہم کیا جاتا تھا چنانچہ ابوالقاسم بلخی سے مروی ہے کہ یہ شخص یعنی ابوزید مظلوم ہے وہ موحد (مومن) ہے دوسروں کے مقابلہ میں اس سے زیادہ واقف ہوں، ہم دونوں ایک ساتھ بڑھ کر جوان ہوئے ہیں، اس نے منطق میں تبحر حاصل کیا ہم دونوں نے منطق کو پڑھا اور بحمد اللہ کبھی صراط مستقیم سے ہمارا قدم نہیں ڈگمگایا

بہرحال ابوزید بلخی منطق کا ماہر تھا جو کندی کے حلقۂ فکر کا امتیازی وصف تھا، اس نے اس موضوع پر کتابیں لکھی ہوں گی، مگر تاریخ نے ان کا تذکرہ محفوظ نہیں رکھا حالانکہ دوسرے فلسفیانہ موضوع

[1] معجم الادبا جلد اول ص ۱۴۲ [2] الفہرست ص ۱۹۸

پر اس کی کتابوں کے نام محفوظ ہیں، مثلاً "کتاب اقسام العلوم، کتاب رسالۃ فی حدود الفلسفۃ، کتاب فضیلۃ علوم الریاضیات، کتاب فی انشاء علوم الفلسفۃ اور خصوصیت سے ارسطاطالیس طبیعیات پر "کتاب تفسیر صور کتاب السماء والعالم لابی جعفر الخازن"۔[1]

غالباً ابو زید یہی وہ مجہول الحال بلخی ہے جو فلسفہ و حکمت میں ابوبکر محمد بن زکریا الرازی کا استاد تھا، اور جس کے لیے خود رازی کہا کرتا تھا کہ اس نے فلسفہ البلخی سے پڑھا ہے۔[2] اسکی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابن الندیم نے ابوبکر رازی کے اس بلخی استاد کا جو حال رازی کے ذکر میں بیان کیا ہے وہ ابو زید بلخی کے مذکورہ بالا حالات پر حرف بحرف صادق آتا ہے۔ یعنی

هذا كان من اهل بلخ يطوف البلاد — رازی کا یہ استاد بلخ کا رہنے والا تھا، مختلف

ويجول الارض حسن المعرفة — شہروں میں گھومتا اور سیاحی کیے ہوئے تھا،

بالفلسفة والعلوم القديمة[3] — فلسفہ اور علوم قدیمہ میں مہارت رکھتا تھا،

بہرحال رازی تیسری صدی کے عباقرہ میں سے ہے، وہ نہ صرف طبیب حاذق تھا، بلکہ فلسفہ و حکمت میں بھی دستگاہ عالی رکھتا تھا، ابن ابی اصیبعہ کہتا ہے،

"وكان الرازي ايضاً مشتغلاً — رازی علوم فلسفیہ میں بھی مشغول رہا تھا،

بالعلوم الحكمية فأتقانيها وله — وہ بہت سی تصانیف کا مصنف ہے،

في ذلك تصانيف كثيرة يستدل — جو اس کی صحت، معلومات اور مرتبہ کی

بها على جودة معرفته وارتفاع منزلته"[4] — بلندی پر دلالت کرتی ہیں،

ابن ابی اصیبعہ سے پہلے قاضی صاعد اندلسی نے طبقات الامم میں لکھا تھا،

طبيب المسلمين غير مدافع واحد — وہ بالاتفاق طبیب المسلمین کہلانے کا مستحق ہو

[1] الفہرست ص ۱۹۹ [2] ایضاً ص ۴۱۵ [3] ایضاً [4] طبقات الاطبا، جلد اول

المهارة في علوم المنطق والهندسة وغيرهما من علوم الفلسفة[1] — منطق، ہندسہ اور دیگر علوم فلسفہ کے ماہرین میں سے تھا،

لیکن یہی اسکی منطق دانی سے مطلب ہے، اس نے اس فن میں مندرجۂ ذیل کتابیں تصنیف کی ہیں،

(۱) کتاب المدخل الی المنطق وهو ايساغوجی،

(۲) کتاب جمل معانی قاطیغوریاس: غالباً یہ وہی کتاب ہے جسے ابن الندیم نے "الکلام علی قاطیغوریاس" کے ضمن میں اس کتاب کی مختصرات میں رازی کی جانب منسوب بتایا ہے،

(۳) کتاب جمل معانی باری ارمینیاس: اسی طرح یہ وہ کتاب معلوم ہوتی ہو جسے ابن الندیم نے "الکلام علی باری ارمینیاس" میں کہا ہے کہ "منجملہ دیگر حکماء کے رازی نے اس کا مختصر لکھا تھا"،

(۴) کتاب جمل معانی انالوطیقا الاولی الی تمام القیاسات الحملیہ: غالباً اسی نام سے قریب کہا کردی بو ائر نے لکھا ہے کہ "منطق وہ (رازی) انالوطیقا کی ابواب اشکال تک جانتا تھا"

(۵) قصیدہ فی المنطقیات

(۶) رسالہ فی المنطق (اس کا ذکر صرف ابن القفطی نے کیا ہے)

(۷) کتاب فی المنطق یذکر فیہ جمیع ما یحتاج الیہ من الفاظ متکلمی الاسلام: اس عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ متکلمین کی منطقی اصطلاحیں جداگانہ تھیں اور رازی ان سے بھی واقف تھا،

(۸) کتاب شرط النظر (باقی)

[1] طبقات الامم ص ۸۳،

قدیم و جدید شعراء اور ان کی شاعری پر

ایک مبسوط تبصرہ

از مولانا عبد السلام صاحب ندوی مرحوم

(۲)

الغرض دور جدید کے غزل گو شعراء نے غزل کی صوری و معنوی حیثیت میں کوئی نمایاں فرق نہیں پیدا کیا، بلکہ وہی عاشقانہ خیالات قائم رہے، جو ہمیشہ قافیہ و ردیف کے التزام کے ساتھ غزلوں میں ظاہر کیے جاتے تھے، تاہم ان خیالات کے اظہار کی جو ناگوار صورتیں قدماء و متاخرین نے اختیار کی تھیں، ان کو دور جدید کے غزلگو شعراء نے بالکل ترک کر دیا،

(۱) مثلاً عاشقانہ خیالات کا اظہار اگرچہ غزل کے لیے ایک ایسی لازمی چیز ہے کہ اس کے بغیر غزل کی دلفریبی قائم نہیں رہ سکتی، تاہم غزل میں اس قسم کے عاشقانہ خیالات ظاہر نہیں کرنے چاہئیں جن سے علانیہ طور پر معشوق کا مرد یا عورت ہونا ظاہر ہو، لیکن بدقسمتی سے فارسی شاعری نے ایسے ماحول میں نشو و نما پائی جو امرد پرستی کے ذوق کو ترقی دینے والا تھا، اس لیے ایرانی شعراء نے مردوں کو اپنا معشوق قرار دیا اور اردو زبان کے قدیم شعراء نے ان ہی تقلید کی، بلکہ اس قسم کے مضامین کو اور بھی زیادہ بدنما صورت میں پیش کیا،

ان غیر فطری عشق و محبت نے اردو زبان کی غزلوں میں ایسے بہت سے الفاظ داخل کر دیے

جو علانیہ مردوں کے ساتھ مخصوص تھے، مثلاً کلاہ، چہرہ، دستار، جامہ، قبا، سبزہ اور خط وغیرہ،

متوسطین کے زمانے میں بھی اگرچہ قدماء کے دور کی یادگار جابجا قائم رہی، تاہم اس دور میں زیادہ تر شعرائے لکھنؤ نے عورتوں کو معشوق بنایا، اس لیے قدرتی طور پر ان کی غزلوں میں زنانہ چیزیں زیادہ نمایاں نظر آتی ہیں، مثلاً انگیا، کرتی، دوپٹہ، مسی، پازیب، چھاگل، مہندی، چوڑی، چوٹی، موباف، آرسی اور جھومر وغیرہ،

اس قسم کے ناشائستہ الفاظ و خیالات نے غزل کو جو اندرونی جذبات و احساسات کی ترجمان تھی، تمامتر خارجی مضامین سے لبریز کر دیا، اور عشق و محبت کے لطیف و پاکیزہ جذبات بالکل فنا ہو گئے، اس بنا پر اس کی اصلاح کی صورت صرف یہ تھی کہ غزل میں عشق و محبت کا اظہار ایسے عام اور وسیع الفاظ میں کیا جائے، جن سے معشوق کا مرد یا عورت ہونا ظاہر نہ ہو، اور اس اطلاق و عموم کی حالت میں افعال کا مذکر لانا بھی قاعدے کے مطابق ہوگا، کیونکہ تمام زبانوں میں یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی حکم مطلق انسان پر لگایا جاتا ہے تو گو نوع انسان میں مرد اور عورت دونوں داخل ہیں، لیکن اس حکم کا موضوع ہمیشہ فرد کامل یعنی مرد کو قرار دیا جاتا ہے لیکن چوٹی اور موباف کے ساتھ معشوق کا ذکر کرنا اور باوجود اس کے افعال و صفات کو ہمیشہ مذکر لانا بالکل بے معنی اور خلاف قاعدہ ہے،

قدیم اردو غزل گوئی کی یہ اصلاحی صورت سب سے پہلے مولانا حالی نے اپنے مقدمہ شعر و شاعری میں پیش کی اور دور جدید کے تمام غزل گو شعراء نے اس پر عمل کیا، اس لیے قدماء و متاخرین کی غزلوں میں فحش، غیر مہذب، غیر فطری اور عریاں مضامین کا جو انبار نظر آتا تھا، اس سے دور جدید کی غزل گوئی بالکل پاک و صاف ہو گئی،

امرد پرستی کے ذوق نے فارسی شاعری میں ناگوار مضامین کا ایک اور سلسلہ قائم کر دیا تھا

جس سے عربی زبان کی شاعری خالی تھی، مگر پھر عربی شاعری پر بھی کسی قدر اثر پڑ گیا، ایران میں شاعری کے شروع ہونے کا وہی زمانہ ہے، جب عرب میں یہ مذاق پیدا ہو چلا تھا، اس پر طرہ یہ ہوا کہ جن اسباب نے عرب میں یہ مذاق پیدا کیا تھا، وہ ایرانیوں کو بہت زیادہ وسعت اور افراط کے ساتھ میسر آئے، ترک غلام جو عموماً حسین ہوتے تھے، گھر گھر پھیل گئے تھے، اور مجالسِ عیش میں ساقی گری اور بزم آرائی کی خدمت ان ہی سے متعلق تھی، وہ جلوت و خلوت، سفر و حضر میں ساتھ رہتے تھے، اور پیشخدمتی کے ساتھ ہمدم و ہمراز بن جاتے تھے، اس لیے وہ غلام و خادم ہونے کے بجائے محبوب اور منظورِ نظر بن گئے۔

معتصم باللہ نے عرب کو فوج سے نکال کر ترک بھر دیے تھے، اس وقت سے ایران، خراسان اور عراقِ عجم میں ہر جگہ فوجی صیغوں میں ترک ہی ترک نظر آتے تھے، جو عموماً حسین اور خوشرو ہوتے تھے، اس بنا پر ایرانی شعراء کو قدرتی طور پر ایسے معشوق ہاتھ آئے جو زیورِ حسن کے ساتھ فوجی اسلحے سے بھی آراستہ تھے، اور ہر قسم کی فوجی خدمات انجام دیتے تھے، اس لیے ایرانی شعرا نے معشوق کو بجا طور پر قاتل، سفاک، جلاد، خونریز اور غارتگر کا خطاب دیا، اور ان خیالات نے رفتہ رفتہ یہ وسعت حاصل کی کہ غزل کا بڑا حصہ سامانِ جنگ اور قتل و خون کے مضامین پر مشتمل ہو گیا، اور عشق و محبت کی لطافت نے قساوت کی شکل میں ظہور کیا، لیکن یہ اوصاف اولاً تو سرے سے شانِ محبوبیت ہی کے منافی تھے اور اردو شاعری میں آکر واقعیت سے بھی دور ہو گئے تھے، کیونکہ ہمارے اردو شعراء کو اس قسم کے معشوقوں سے کوئی سروکار نہ تھا، اس لیے ہمارے شعرا کا فرض تھا کہ وہ اس قسم کے مضامین سے بالکل دست بردار ہو جاتے یا کم از کم ان کو نہایت معتدل طریقہ سے استعمال کرتے، لیکن قدماء کے دور سے لیکر متاخرین کے دور تک تمام اردو شعراء نے اس معاملے میں حرف بحرف ایرانی شعراء کی تقلید کی، بلکہ اساتذۂ لکھنؤ نے

معشوق کو تیغ و خنجر کے ساتھ چھری اور گرز کے ساتھ بھی مسلح کر دیا، مثلاً

نگینے سے خالی نہیں قاتل کی چھنگلیا — رومال ہے تلوار کا اک بار گلے میں (ناسخ)

ہے خون جاں کا ایسے چھنگلیے سے ہر دم — بتا کے آبِ زرہ قاتل کہیں نہ ہول چلے (رند)

لیکن اردو شاعری پر دورِ جدید کے غزلگو شعراء کا یہ خاص احسان ہے کہ انھوں نے اس قسم کے ناگوار مضامین سے اردو شاعری کو پاک و صاف کر دیا، اگرچہ کہیں کہیں ان کے کلام میں بھی اس قسم کے مضامین آجاتے ہیں، مثلاً

اس شہیدِ ناز کے کیا خونبہا کا پوچھنا — جس کی روداد مکمل دامنِ قاتل میں ہے (جگر)

کیا کہیں خونِ دو عالم سے بھی اب بجھتی ہے پیاس — خونِ بسمل کی حرارت خنجرِ قاتل میں ہے (〃)

یہ جذبِ شہادت کا حاصل نظر آتا ہے — جو پردہ اٹھاتا ہوں قاتل نظر آتا ہے (〃)

ہر سمت سے مقتل میں کیوں ٹوٹ پڑیں نظریں — کیا صورتِ بسمل میں قاتل نظر آتا ہے (〃)

خونِ دل رگ رگ میں جم کر رہ گیا اس وہم سے — بڑھ کے سینے سے نہ لپٹا لے مرا قاتل مجھے (〃)

صدقے ان ہاتھوں کے مجھکو بھی خبر تک نہ ہوئی — اس نزاکت سے گلے پر مرے شمشیر چلی (〃)

مٹ کر بھی داغ شاہدِ خونِ شہید ہے — دھویا ہوا ہے دامنِ قاتل جگہ جگہ (فانی)

اب یادگارِ فانیِ بسمل ہے اس قدر — گلگوں ہے خاک کوچۂ قاتل جگہ جگہ (〃)

ہوش جبتک ہے گلا گھونٹ کے مر جانے کا — دمِ شمشیر کا احسان ترے بسمل سے اٹھا (〃)

ادھر منہ پھیر کر کیا ذبح کرتے ہو ادھر دیکھو — مری گردن پہ خنجر کی روانی دیکھتے جاؤ (〃)

مجھکو مضطر دیکھکر کہتا ہے قاتل پیار سے — آ ادھر سایے میں سو جا دامنِ شمشیر کے (〃)

تاہم ان کے کلام میں اس قسم کے مضامین کی کثرت اور شدت بالکل نہیں پائی جاتی اور یہ چند اشعار بھی قافیہ کی ضرورت اور رعایت سے کہے گئے ہیں،

(۲) عشق و محبت کے ساتھ اردو اور فارسی غزلگوئی کا ایک جزو خمریات بھی ہے، یعنی اردو غزلوں میں شراب نوشی اور اس کے لوازمات کا ذکر نہایت بلند آہنگی کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور اسی سلسلہ میں زاہدوں، واعظوں اور محتسبوں کی پردہ دری بھی کی جاتی ہے، کیونکہ یہ لوگ شراب نوشوں اور رندوں کو اس بد اخلاقی سے روکتے ہیں، جو ان لوگوں کو ناگوار ہوتی ہے، اس لیے وہ غزلوں کے ذریعہ اس کا انتقام لیتے ہیں اور زاہدوں اور واعظوں میں جو اخلاقی برائیاں ہوتی ہیں، ان کو بیان کرتے ہیں، اردو شاعری میں اس قسم کے رندانہ خیالات محض فارسی شاعری کی نقل و تقلید سے آئے، اور انھوں نے بعض مواقع پر نہایت غیر مہذب شکل اختیار کرلی، اس لیے ان خیالات کی اصلاح کی طرف سب سے پہلے مولانا حالی نے توجہ دلائی اور اس کی حسب ذیل صورتیں بتائیں۔

۱۔ جو لوگ واعظوں اور زاہدوں کے ساتھ کوئی حقیقی وجہ مخالفت نہیں رکھتے ان کو خواہ مخواہ واعظوں کی پردہ دری کرنا زیبا نہیں ہے،

۲۔ جن لوگوں کو ان سے کوئی وجہ مخالفت ہے، وہ ان پر نکتہ چینی کرسکتے ہیں لیکن نکتہ چینی صرف اس طریقہ سے کی جاسکتی ہے، جس سے یہ ظاہر ہو کہ صرف واعظوں کے مکر و فریب کی برائی مقصود ہے، ان پر ذاتی حملہ کرنا مقصود نہیں ہے،

ان اصلاحی صورتوں پر دور جدید کے تمام غزلگو شعراء نے عمل کیا اور اردو غزلگوئی ان تمام رکیک خیالات سے پاک ہوگئی جنھوں نے قدماء کے دور میں یہ شکل اختیار کرلی تھی،

دختر رز تو ہے بیٹی سی ترے اوپر حرام — رند اس رشتے سے سارے ترے داماد ہیں شیخ (قائم)

حد سے زیادہ واعظ یہ کودنا اچھلنا — کاہے کو جانتے ہیں ہم اے خرس اب بندھا (میر)

ڈھونڈوں ہوں میں نہ کریں رند تیری داڑھی کا — تبرکات میں داخل ہر ایک مو واعظ (سودا)

اور اس کا کچھ نہ کچھ اثر متوسطین اور متاخرین کے دور تک بھی قائم تھا، مثلاً

ہے دور مے اچھال دو عمامہ شیخ کا — لازم ہے بھر کشتی مے بادبان بلند (ناسخ)

شب ماہ کا لطف اے شیخ عجب ہے — کہ ہالہ بنے تیری پگڑی اچھل کر (داغ)

زاہدوں اور واعظوں سے اگرچہ دور جدید کے غزلگو شعراء نے بھی کسی قدر آویزش قائم رکھی تاہم اس کا پیرایۂ بیان نہایت مہذب ہے، مثلاً

مسجد میں معتکف ہیں بیکار ہی تو زاہد — دو روزہ زندگی ہے آئیں پئیں پلائیں (جگر)

زاہد مسجد نشیں ہیں اور اک ٹوٹا ساغر — میکدے میں اہتمام جام و ساغر دیکھیے (〃)

دم بخود ہیں حضرت زاہد ہمیں تک دیکھ کر — ہوش اڑ جائے اگر شیشے سے باہر دیکھیے (〃)

اے محتسب نہ پھینک مرے محتسب نہ پھینک — ظالم شراب ہے ارے ظالم شراب ہے (〃)

مجھے اٹھانے کو آیا ہے واعظ ناداں — جو اٹھ سکے تو مرا ساغر شراب اٹھا (〃)

کدھر سے برق چمکتی ہے دیکھیں اے واعظ — میں اپنا ساغر اٹھاتا ہوں تو کتاب اٹھا (〃)

مولانا حالی نے اپنی اصلاحی صورت میں زاہدوں اور واعظوں کو صرف ذاتی حملہ سے محفوظ رکھا تھا، لیکن انھوں نے بھی ان کے حقیقی معائب کی پردہ دری کو جائز رکھا تھا، بلکہ اپنی غزلوں میں مہذب طریقہ سے ان کے خوب خوب پترے کھولے تھے، لیکن دور جدید کے غزلگو شعراء نے ان معائب کو نظر انداز کردیا، اور صرف ان کو مینوشی کی طرف ترغیب دی اور ان کو مینوشی کی روک ٹوک سے باز رکھا،

(۳) صنائع و بدائع پر کلام کی بنیاد رکھنے سے شعر کی معنوی خوبیوں کا سر رشتہ ہاتھ سے بالکل چھوٹ جاتا ہے، اور اگرچہ بعض موقعوں پر لفظی صناعیاں کلام میں حسن پیدا کردیتی ہیں، لیکن تکلف کے ساتھ اس کا التزام شعر کی تمام خوبیوں کو برباد کردیتا ہے، لیکن بدقسمتی سے یہی صنائع و بدائع اردو شاعری کے سنگ بنیاد قرار پائے، اور قدماء نے اپنی غزلوں کی بنیاد زیادہ تر صنعت ایہام

یعنی رعایت لفظی پر رکھی، اور شاہ مبارک آبرو اور شاکر ناجی وغیرہ نے اس صنعت میں خاص طور پر
ناموری حاصل کی لیکن اردو شاعری کے مصلحین کی نگاہ میں یہ کانٹا ہمیشہ کھٹکتا رہا، اور سب سے پہلے
مرزا مظہر جانجاناں نے اردو شاعری کے چمن کو اس خار زار سے پاک کیا، ان کے بعد میر، سودا،
اور مصحفی نے اس صنعت کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا لیکن بایں ہمہ ان لوگوں کا کلام بھی اس داغ
سے پاک نہ رہ سکا۔ اصول ارتقاء کے مطابق متوسطین کے زمانہ میں اس اصلاحی روش میں اور بھی
زیادہ ترقی ہونی چاہیے تھی، لیکن بدقسمتی سے متوسطین کے زمانے میں لکھنؤ میں شیخ ناسخ، خواجہ آتش
اور ان کے تلامذہ نے اس صنعت کو قدماء کے دور سے بھی زیادہ ترقی دی، بالخصوص امانت لکھنوی
نے تو اس کو ضلع جگت . . . کا گورکھ دھندا بنا دیا، شعرائے دلی میں شاہ نصیر، شیخ ابراہیم ذوق،
میر کلو حقیر، حکیم آغا جان عیش، اور عبدالرحمٰن خاں احسان نے بھی شعرائے لکھنؤ کی تقلید کی،
اور متاخرین کے دور تک اس کا کچھ نہ کچھ اثر قائم رہا،

اس میں شبہ نہیں کہ اگر کسی موقع پر اس صنعت کا استعمال بیساختگی کے ساتھ ہو جائے تو
اس سے کلام میں حسن پیدا ہو جاتا ہے، مثلاً

کیا خوش ان کو نہر پہ گر روک ٹوک ہو — نیزہ نہیں جو پاس تو اس میں بھی نوک ہو (میر انیس)

بت توڑ دیے ہیں جو سوے دیر گئی ہوں — خندق کو تو دو ہاتھ ہیں، میں پر گئی ہوں (")

آ کر بزم عزائے شہ میں رونا — ہر آنکھ پہ فرض عین ہو جاتا ہے،

ایک ایک کوس راہِ جبل میں پہاڑ تھا

اور میر تقی میر نے بھی اسی حد تک اس کے استعمال کی اجازت دی تھی، چنانچہ نکات الشعراء
میں لکھتے ہیں،

اکنوں طبعہا مصروف ایں صنعت کم است، مگر بسیار شستگی بستہ شود

لیکن ہمارے شعراء نے اس کا استعمال جس طریقہ سے کیا تھا، اس نے اردو غزلگوئی کو مبتذل
مضامین کا مجموعہ بنا دیا تھا، مثلاً

یاں پلیتھن نکل گیا واں غیر — اپنی ٹکی لگائے جاتا ہے (میر)

گئے دار کی چھڑیوں میں ساتھ غیروں کے — تمام سال یہ دارو مدار ہم سے رہا (مصحفی)

بوسہ مانگا تو لائے ذکر پتنگ — پیچ سے کاٹ دی ہماری بات (امانت)

تو وہ ہے صید فگن دشت میں رکھے جو قدم — آنکھیں آ آ کے ملیں بھیڑیے گر گابی پر (")

جھمکا ترے بلاق کا موتی یہ رات کو — دم ناک میں ہے اختر دنبالہ دار کا (شاہ نصیر)

اس ستمگر سے مگر آنکھ لڑی ہے کہ حباب — کیسے کچے گھڑے پانی لب جو بھرتے ہیں (مومن خاں)

اس بنا پر نہ صرف تکلف اور آورد سے بلکہ اردو غزلگوئی کو مبتذل مضامین سے پاک و صاف
کرنے کے لیے اس بات کی ضرورت تھی کہ اس صنعت سے بالکل ہاتھ اٹھا لیا جائے اور دور جدید کے
غزلگو شعراء نے نہایت مکمل طور پر اس ضرورت کو پورا کر دیا، اس لیے ان کے کلام میں کہیں بھی اس قسم کا
داغ دھبہ نہیں نظر آتا،

(۴) اساتذۂ قدیم مثلاً ولی، میر اور خواجہ درد وغیرہ نہایت سادہ، آسان اور ہموار
زمینوں میں غزلیں لکھتے تھے، بلکہ میر سوز اکثر ردیف کا التزام بھی نہیں کرتے تھے، صرف قافیہ ہی
پر قناعت کرتے تھے، کیونکہ ان کو صاف نظر آتا تھا کہ اس قسم کی زمینوں میں عمدہ اشعار نہیں نکل
سکتے، مثلاً میر نے ایک غزل لکھی ہے، جس کی ردیف "زمیں پر" ہے، اور اس میں اچھے اچھے شعر
نکالے ہیں، لیکن اس کے ساتھ مقطع میں یہ معذرت کی ہے،

کیا سر جھکا رہے ہو میر اس غزل کو سنکر — بارے نظر کرو ٹک لے مہرباں زمیں پر

لیکن قدماء کے تیسرے دور میں اساتذہ نے قصداً اس قسم کی سنگلاخ زمینیں ایجاد کیں،

اور ضیاء نے جیسا کہ میر حسن کے ان نے تذکرے میں لکھا ہے، اس قسم کی زمینوں میں زیادہ زور آزمائی کی، جرأت اور مصحفی وغیرہ نے بھی ان کی تقلید کی اور اس کو زور آوری طبع دکھانے کا ایک بڑا میدان قرار دیا، چنانچہ جرأت کہتے ہیں:

غزل دم گریہ و فغاں کہہ اک اور، پر چاہیے کہ جرأت ردیف اسکی بھی ہو یہ مشکل گے آب و گے آتش

کہتے اک اور غزل اس میں اگرچہ جرأت قافیے اور ردیف اسکے ہیں مشکل بھاری

بالخصوص شاہ نصیر نے اس میں بہت زیادہ نام پیدا کیا اور ان کے بعض تلامذہ نے بھی انکی تقلید کی، متوسطین اور متاخرین کے دور میں اگرچہ یہ ذوق کم ہو گیا، تاہم ان کے کلام میں بھی اس قسم کی زمینیں اور ردیفیں پائی جاتی ہیں، کچھ تو وہی قدماء کے تیسرے دور کا اثر ہے، اور کچھ اس لیے کہ دور جدید سے پہلے دواوین کے مرتب کرنے کے لیے ہر ردیف میں، یعنی الف سے لیکر ی تک کے تمام حروف تہجی کی ردیفوں میں غزل کہنا ضروری تھا، اس لیے خواہ مخواہ ایسی ردیفوں میں غزل کہنی پڑتی تھی جن میں عمدہ اشعار نہ نکل سکیں، اگرچہ اس دور کے خوش مذاق شعرا بھی اس کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے، چنانچہ صاحب تذکرۂ گلستان سخن نے شاہ نصیر کے ایک شاگرد حافظ غلام رسول شوق کے حال میں لکھا ہے کہ

مشکل زمینوں میں بنیز گامزن اور قوافی تنگ میں اکثر گرم سخن ہے، اشعار عاشقانہ دلچسپ تشبیہ و تمثیل ایسی کہ مذاق شاعری میں گوارا ہوئے اس کے نتائج طبع سے کم کیا کہ مطلق مسموع نہیں ہوئے،

لیکن دور جدید میں اس کو اور بھی زیادہ ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا، اور مولانا حالی نے اردو غزلگوئی کی جو اصلاحی صورتیں بتائیں ان میں یہ صورت بھی تھی کہ شعر میں قافیہ کی پابندی بجائے خود ایک مشکل چیز ہے، اور اس پر اردو اور فارسی غزلوں میں ردیف کا التزام اس اشکال میں اور اضافہ کر دیتا ہے، اس لیے ان التزامات کے ساتھ سنگلاخ زمینوں میں شعر کہنا جن میں عموماً ردیف اور قافیہ ایسا اختیار کیا جاتا ہے جن میں باہم دگر کچھ مناسبت نہیں ہوتی، مثلاً "تقریر پشت آئینہ"

تیل کی مکھی"، "تمس کی تیلیاں" یا ردیف ایسی لمبی اختیار کی جاتی ہے جو ایک آدھ سے زیادہ شعروں میں معقول طور پر نہیں آسکتی، جیسے "فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں" "سر پہ طرہ ہار گلے میں" عام شعراء کے لیے ایک ایسی تکلیف مالایطاق ہے جس میں معنوی تو معنوی کوئی لفظی خوبی بھی بمشکل پیدا کی جاسکتی ہے، اس بنا پر شاعر کو ایسی ردیف اختیار کرنی چاہیے، جو قافیہ سے میل کھاتی ہو اور ردیف و قافیہ دونوں مل کر مختصر کلموں سے زیادہ نہ ہوں، اور دور جدید کے تمام غزل گو شعرا نے اس اصلاح پر عمل کیا اور اردو شاعری اس قسم کی غیر مطبوع ردیفوں اور غزلوں سے پاک ہو گئی، دور جدید کے غزلگو شعراء کے جو دیوان مرتب ہوئے ہیں وہ بہت زیادہ مختصر ہیں، اس لیے قدماء، متوسطین اور متاخرین کی طرح ان کو محض اصطلاحی معنوں میں دیوان کے مرتب کرنے کے لیے ہر قسم کی ردیفوں میں شعر کہنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی، اس لیے ان کا کلام اور بھی زیادہ رطب ویابس اشعار سے پاک ہو گیا،

(۵) قدماء کے تیسرے دور میں زور آزمائی طبع کا ایک اور نیا میدان نکل آیا تھا، جس کو مسلسل گوئی کہتے ہیں، شعرائے ایران کا انداز یہ تھا کہ ہر زمین میں صرف ایک غزل کہتے تھے، اور اس غزل کے اشعار بھی محدود ہوتے تھے، قدیم اساتذۂ اردو نے بھی یہی انداز اختیار کیا تھا، چنانچہ ولی اور خواجہ میر درد وغیرہ نے کبھی مسلسل اور طویل غزلیں نہیں لکھیں، لیکن اس دور کے اساتذہ نے ایک ہی زمین میں متعدد غزلیں لکھنی شروع کیں اور اس کو اظہار کمال کا ایک بڑا ذریعہ خیال کرنے لگے، چنانچہ مصحفی کہتے ہیں

طول اسقدر کلام کو کیوں دے ہے مصحفی جانا فن سخن میں ہو صاحب کمال تو

پڑھتا ہوں تیرے سامنے میں وہ بھی مصحفی گر دوسرے غزل کا رکھے ہو سوال تو

سب سے زیادہ جرأت نے اس میں زور طبع دکھایا، اس لیے یہ ان کی ایک خصوصیت قرار پا گئی،

چنانچہ مصحفی ان کے تذکرے میں لکھتے ہیں

مزاجش بہ طرف مسلسل گوئی و غزل در غزل گفتن بیشتر مائل

تاہم جرأت وغیرہ کی یہ مسلسل گوئی متفرق غزلوں تک محدود تھی، لیکن سعادت یار خاں رنگین نے ایک پورا دیوان مرتب کیا، جس کی ہر زمین میں دو غزلہ کا التزام کر لیا، متوسطین کے زمانے میں ناسخ و آتش نے بھی یہی روش اختیار کی اور اسے کو اس قدر بڑھا دیا کہ غزل اور قصیدہ میں اشعار کی تعداد کے لحاظ سے کوئی فرق باقی نہیں رہا، متاخرین میں منشی امیر احمد صاحب مینائی نے زیادہ تر ان ہی کی تقلید کی اور جا بجا جلال و داغ کے دیوانوں میں بھی اس قسم کی مسلسل غزلیں پائی جاتی ہیں، لیکن شعرائے دور جدید نے اس طرز کو بالکل ترک کر دیا، اس لیے ان کی غزلیں بالکل نصاب غزل کے موافق ہیں، ان اصلاحات کے بعد غزل کا جو اسٹائل متوسطین و متاخرین شعرائے لکھنؤ نے قائم کیا تھا، بالکل بدل گیا، اور دور جدید کے غزلگو شعراء نے مصحفی، میر، مومن، غالب اور نسیم کا رنگِ تغزل اختیار کیا، چنانچہ حسرت موہانی کہتے ہیں:

حسرت غزل تو وہ ہے جسے سچ کہیں سب   مومن سے اپنے رنگ کو تو نے ملا دیا

کہاں سے آئیں گی نیرنگیاں ترکیب مومن کی   یہ لطف خوش بیانی حسرتِ رنگین بیاں تک ہے،

مرحبا حسرت بنائی خوب تصویر سخن   رنگ مومن خوشنما کس درجہ اس پیکر میں ہے

حسرت ہیں وقف پیروی مومن و نسیم   کیوں سلسلہ ملائیں کسی لکھنوی سے ہم

ہو کے بیخود کلام حسرت سے   آج غالب غزل سرا نہ ہوا

غالب و مصحفی و میر و نسیم و مومن   طبع حسرت نے اٹھایا ہے ہر استاد سے فیض

وفا رامپوری اگرچہ منشی امیر احمد مینائی کے شاگردوں میں ہیں، تاہم وہ بھی فرماتے ہیں:-

اے وفا شیفتۂ مومن و غالب ہوں میں   میں نے کچھ رنگ اڑایا ہے غزل خوانی کا۔

(باقی)

ساتویں صدی کے رجال السند والہند

از مولانا قاضی اطہر مبارک پوری

(۲)

فقہاء | (۱) احمد بن سعید بن ابراہیم، ابن الہندی ہمدانی مالکی۔ آپ اپنے زمانہ میں علم الشروط میں یکتا تھے، اور علماء سے اندلس تک آپ کے معترف تھے، آپ کی کتاب کو امرائے اندلس نے اپنے سرکاری معاملات میں رہبر بنایا، وفات ۳۹۹ھ

(۲) احمد بن محمد، ابوبکر منصوری اکبرآبادی۔ وفات جمادی الاولیٰ ۳۴۲ھ،

(۳) احمد بن محمد کرابیسی ہندی، صاحب کتاب الوصایا،

(۴) احمد بن محمد، ابوالعباس دیبلی مصری، داؤدی شافعی، وفات ۳۴۳ھ

(۵) احمد بن محمد بن صالح، ابوالعباس منصوری، داؤدی، مشہور داؤدی امام موجود ۳۸۰ھ مقدسی نے ان کو قاضی ابو محمد منصوری لکھا ہے،

(۶) احمد بن نصر بن حسین دیبلی، موصلی، انباری شافعی،

(۷) ابان بن محمد، ابوبشر سندی بجلی کوفی بغدادی بزاز، قدیم علمائے عراق میں سے ہیں، علم الانساب اور تاریخ و اخبار میں بہت مشہور ہیں،

(۸) ابراہیم بن سندی بن شاہک بغدادی، بہت سے علوم و فنون کی طرح علم فقہ میں بڑی جامعیت رکھتے تھے،

(۹) اسمٰعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ بن یعقوب ثقفی سندی، قاضی وخطیب الور، آپکے آبا و اجداد میں سے کسی نے عربی میں سندھ کی اسلامی تاریخ مرتب کی تھی۔

(۱۰) ابوسعید ہندی مالکی۔

(۱۱) جعفر بن خطاب، ابومحمد قصداری بلخی، فقیہ و زاہد تھے، موجود قبل ۵۰۰ھ،

(۱۲) حسن بن محمد بن حسن بن حیدر، ابوالفضائل، رضی الدین صغانی لاہوری، بغدادی حنفی، وفات شعبان ۶۵۰ھ۔

(۱۳) عبدالرحمٰن بن عمرو، ابوعمرو سندی دمشقی، حضرت امام اوزاعی، بعض اقوال کی رو سے آپ سندی الاصل ہیں، آپ کا فقہی مسلک شام اور اندلس میں مدتوں جاری رہا، وفات صفر ۱۵۷ھ،

(۱۴) عبداللہ بن مبارک سندی، مروزی، مرو کے فقہاء آپ کی فقاہت پر فخر کرتے تھے، آپ کے والد مبارک مرو کے ایک دیندار مالدار کے غلام تھے،

(۱۵) علی بن احمد بن محمد دیبلی شافعی، صاحب کتاب ادب القضا، موجود ۳۰۰ھ،

(۱۶) عمرو بن عبید بن باب، ابوعثمان سندی بصری قدری معتزلی، شیخ المعتزلہ، یہ شخص اپنے مذہب کا غنی اور بڑا عابد و زاہد تھا، خلیفہ منصور اس کا بہت معتقد تھا، وفات ۱۴۴ھ،

(۱۷) فتح بن عبداللہ، ابونصر سندی، فقیہ و متکلم تھے، موجود ۴۰۰ھ

(۱۸) محمد بن احمد بن محمد بن خلیل بوقانی سندی شافعی، وفات محرم ۵۴۴ھ۔

(۱۹) محمد بن اسعد بن محمد، ابوسعید سندی شافعی، آپنے امام غزالی سے فقہ حاصل کی، شہادت ۵۵۶ھ،

(۲۰) محمد بن زیاد، ابوعبداللہ ابن الاعرابی سندی کوفی، علوم شرعیہ میں ان کا طور و طریقہ فقہا، اور محدثین کے مطابق تھا، وفات شعبان ۲۳۱ھ

(۲۱) محمد بن عثمان بن ابراہیم بن عبدالخالق، سراج الدین، علم فقہ اور علوم عربیہ میں

خصوصی درجہ رکھتے تھے، لاہور اور بامیان کے قاضی رہ چکے تھے، وفات ۵۹۰ھ،

(۲۲) محمد بن مامون بن رشید بن ہبۃ اللہ لاہوری، خراسانی مطوعی شافعی، شہادت ۶۰۳ھ،

(۲۳) محمد بن محمد بن خلف، ابوالقاسم لاہوری اسفرائینی شافعی، فقیہ و مناظر تھے، وفات حدود ۴۴۰ھ

(۲۴) مکحول بن عبداللہ سندی، شامی، مشہور فقیہ و حافظ شام،

مفسرین اور قراء

(۱) احمد بن سندی، ابوبکر بغدادی حداد، امام ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں جگہ جگہ آپکے سلسلۂ روایت سے ارباب احسان و سلوک کی تفسیریں نقل کی ہیں، وفات ۳۵۹ھ،

(۲) احمد بن محمد بن ہارون، ابوبکر دیبلی رازی بغدادی، کہا جاتا ہے کہ آپنے امام قرأت سعدان ابن ہیثم دوری سے پورا قرآن عاصم کی قرأت پر پڑھا تھا، وفات رجب ۳۷۰ھ،

(۳) اسمٰعیل لاہوری، آپ بہت بڑے محدث و مفسر تھے اور حدیث و تفسیر کا علم سب سے پہلے آپ ہی کے ذریعہ لاہور میں آیا، وفات ۴۴۸ھ،

(۴) جعفر بن محمد، ابوالقاسم سرندیبی ہندی، آپ نے شیخ الحجاز فی القرأۃ امام قنبل سے قرأت کی روایت کی ہے، موجود ۴۰۰ھ

(۵) خلف بن سالم، ابومحمد سندی بغدادی حافظ الحدیث ہونے کے ساتھ ساتھ مجود بھی تھے، وفات رمضان ۲۳۱ھ،

(۶) عبد بن حمید بن نصر، ابومحمد کسی ہندی، آپنے حدیث میں مسند کبیر کے ساتھ قرآن حکیم کی تفسیر میں ایک کتاب لکھی ہے، وفات ۲۴۹ھ

(۷) عبداللہ بن جعفر بن مرہ، منصوری مقری،

(۸) محمد بن ابراہیم، ابوجعفر دیبلی مکی، محدث مکہ، آپنے ابوعبداللہ سعید بن عبدالرحمن مخزومی سے کتاب التفسیر کی روایت کی ہے، وفات ۳۲۲ھ،

(۹) محمد بن حسین بن محمد، ابوبکر دیبلی، شامی، مقری ثقہ، آپ نے ہارون اخفش کے دو مشہور شاگرد محمد بن نصیر ابن ابی حمزہ اور جعفر بن حمدان ابن ابی داؤد سے قرأت کی تحصیل کی ہے، موجود ۳۴۰ھ

(۱۰) محمد بن عبد اللہ، ابو عبد اللہ دیبلی، شامی، مقری شام، آپ ابو عبد اللہ دیبلی کی کنیت سے مشہور ہیں، بڑے عابد و زاہد تھے، فن قرأت جعفر بن محمد بن سقیط سے حاصل فرمایا تھا، موجود ۳۱۰ھ

(۱۱) منصور بن محمد، ابو القاسم سندی، اصبہانی، مقری، معروف، ضابط، آپ نے علی بن حسن شمشاطی وغیرہ سے قرأت حاصل کی، موجود ۴۰۰ھ

(۱۲) ایک عراقی النسل منصوری مفسر جس نے الور کے راجہ کے لیے ہندی زبان میں قرآن حکیم کی تفسیر سورہ یٰسین تک لکھی، اور راجہ نے اس کے صلہ میں بڑی تعداد میں سونا عطا کیا، یہ شخص بہت بڑا شاعر بھی تھا، اور ہندوستان کی متعدد زبانیں جانتا تھا، ہندوستان میں یہاں کی مقامی زبان میں یہ پہلی تفسیر لکھی گئی، موجود ۳۰۰ھ،

خطباء، واعظین، متکلمین اور مبلغین

(۱) ابراہیم بن سندی بن شاہک بغدادی، دولت عباسیہ میں بڑی ممتاز شخصیت کا مالک تھا، فصاحت و بلاغت اور خطابت میں بے نظیر تھا، اور بہت سے اسلامی علوم میں مہارت تامہ رکھتا تھا،

(۲) اسلامی دیبلی، محمد بن قاسم ثقفی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، اس نے ان کو مسلمانوں کا سفیر بناکر راجہ داہر کے پاس بھیجا، غالباً یہ دیبلی نسل کے پہلے نومسلم ہیں، موجود اخیر ۱۰۰ھ

(۳) اسمٰعیل لاہوری، سرزمین ہند پر اسلام کے داعیوں میں بڑی شخصیت کے مالک ہیں، آپ کی مجالس وعظ میں بہت سے کفار و مشرکین نے اسلام قبول کیا،

(۴) عمرو بن عبید بن باب، ابو عثمان سندی بصری، شیخ المعتزلہ، یہ شخص معتزلہ میں بہت مشہور تھا، اس کے خطبات اور رسائل میں دعوت و تبلیغ کا بڑا زور ہے، المہدی اور منصور

اس کے بہت قائل تھے،

(۵) فتح بن عبد اللہ، ابو نصر سندی، فقیہ کے ساتھ ساتھ بہت بڑے بڑے متکلم بھی تھے، علم کلام کی تعلیم ابو علی محمد بن عبد الوہاب ثقفی سے حاصل کی تھی، موجود ۳۴۰ھ

(۶) کشاجم بن حسن بن شاہک سندی آملی، اس کا اصل نام محمد یا محمود ہے، بہت بڑا شاعر تھا، اور اسی حیثیت سے مشہور ہے، خطابت اپنے باپ سندی بن شاہک سے ورثہ میں پائی تھی، ابن ندیم نے خطباء کی فہرست میں اسے بھی شامل کیا ہے، وفات ۳۶۰ھ

(۷) محمد بن مامون بن رشید ابو عبد اللہ لاہوری خراسانی مطوعی، آپ حسبۃً للہ وعظ و تبلیغ کرتے تھے، اور اسی راہ میں باطنی ملاحدہ کے ہاتھوں ۴۰۳ھ میں شہید ہوئے،

(۸) محمد بن محمد، صدر الدین بھکری سندی خطیب، آپ اپنے زمانہ کے اکابر علماء میں تھے، بھکر کی خطابت آپ کے سپرد تھی، وفات محرم ۷۶۹ھ،

(۹) محمد بن محمد بن خلف، ابو القاسم لاہوری اسفرائینی، فقیہ و مناظر، بڑی سمجھ بوجھ کے مالک تھے، مستقل قیام اسفرائین میں تھا، وفات حدود ۵۴۰ھ

قضاۃ

(۱) احمد بن محمد بن صالح، ابو العباس منصوری داؤدی، قاضی منصورہ، مقدسی نے قاضی ابو محمد منصوری کے نام سے ان کا ذکر کیا ہے،

(۲) احمد بن نصر بن حسین، ابو العباس دیبلی، انباری موصلی، آپ کو قاضی القضاۃ ابو الفضل قاسم بن یحییٰ شہرزوری نے حریم دار الخلافہ کے لیے قضا میں اپنا نائب مقرر کیا، آپ نے نیابت قضا کو اس طرح نباہا کہ جب قاضی القضاۃ مذکور معزول کر دیے گئے تو آپ بھی بغداد سے موصل چلے آئے اور وہیں ۵۹۰ھ میں وفات پائی،

(۳) اسمٰعیل بن علی بن ثقفی سندی خطیب، آپ شہر الور کے قاضی تھے، قضا اور خطابت

کا عہدہ آپ کو آبائی ورثہ میں ملا تھا، موجود [illegible]ھ،

(۴) سندی بن شاہک مولیٰ ابوجعفر منصور، دورِ عباسی کا مشہور سیاسی آدمی تھا، اس نے دوسرے سرکاری عہدوں کی طرح، توں عہدۂ قضا بھی سنبھالا، اپنی مجلسِ قضا میں بھی سیاسی چالوں سے کام لیتا تھا،

(۵) سندی بن عبدویہ کلبی رازی، قاضی ہمدان و قزوین، آپ کا نام سہل بن عبدالرحمٰن ہے، رے کے سب سے بڑے عالم حدیث تھے، آپ پہلے شخص ہیں جو بیک وقت ہمدان اور قزوین دونوں مقام کے قاضی بنائے گئے،

(۶) محمد بن عثمان بن ابراہیم بن عبدالخالق، سراج الدین لاہوری، شہاب الدین غوری نے ۵۸۲ھ میں لاہور میں آپ کو فوج کا قاضی بنایا، اور ۵۸۹ھ میں بہاء الدین سام بن محمد آپ کو بامیان لے گیا اور وہاں کا قاضی القضاۃ مقرر کیا، اور خطابت، احتساب اور دوسرے مناصبِ شرعیہ بھی آپ کے حوالہ کر دیے، وفات حدود ۵۹۰ھ،

(۷) محمد بن عطا، قاضی حمید الدین ناگوری، ہندوستان کے مشہور بزرگ ہیں، آپ اپنے والد کی وفات کے بعد ان کی جگہ ناگور کے قاضی بنائے گئے، تین سال تک یہ عہدہ سنبھالنے کے بعد مستعفی ہو کر بغداد چلے گئے، .... اور سلوک و طریقت کی زندگی اختیار فرمائی، وفات رمضان ۶۴۳ھ،

(۸) معروف بن زکریا چیموری، ہنرمند چیمور، آپ بمبئی کے علاقہ چیمور کے ہنرمند تھے، یہ قاضی کے قائم مقام ایک عہدہ تھا، یہاں کا راجہ بلہرا مسلمانوں کے لیے ان ہی میں سے کسی معزز آدمی کو اپنی طرف سے حاکم مقرر کرتا تھا جس کا ہر فیصلہ گویا راجہ کا فیصلہ ہوتا تھا، اس عہدہ کو یہاں "ہنرمنہ" کہتے تھے، مسلمانوں کے انتخاب اور مرضی سے ہنرمند مقرر کیا جاتا تھا، مورخ مسعودی نے ۳۰۴ھ میں معروف بن زکریا ہنرمند سے چیمور میں ملاقات کی ہے،

عُبّاد و زُہاد

(۱) احمد بن سندی بن حسن بن بحر، ابوبکر حداد بغدادی، آپ ابدال میں شمار کیے جاتے تھے، اور مستجاب الدعوت بزرگ تھے، وفات ۳۵۹ھ

(۲) احمد بن عبداللہ بن سعید، ابوالعباس دیبلی، نیشاپوری، آپ فقرائے زہاد میں تھے، طلب علم میں زندگی کا بیشتر حصہ مسافرت کی نذر کیا، نیشاپور میں خانقاہ حسن بن یعقوب، حدادی میں رہتے تھے، دن بھر جامع مسجد میں رہتے رات کو بال بچوں میں آجاتے، وفات رجب ۳۴۳ھ

(۳) احمد بن محمد، ابوالعباس دیبلی مصری، حافظ و زاہد، آپ نے مصر میں زندگی بسر کی، جمعہ کے دن ایک قمیص سیتے اور اس کی اجرت ایک درہم دو دانق وصول کر کے اس سے کھانا کپڑے کا انتظام کرتے، ارزانی ہو یا گرانی، اس معمول میں فرق نہ آتا، ۳۴۷ھ میں تلاوت کی حالت میں وفات پائی،

(۴) ابراہیم بن سندی بن شاہک بغدادی، ان کی شخصیت بڑی جامع تھی، مختلف علوم میں مہارت کے ساتھ بڑے عابد و زاہد تھے،

(۵) ابوعبداللہ دیبلی زاہد، ابن جوزی نے "صفة الصفوہ" میں آپ کا تذکرہ کیا ہے، آپ کا نام محمد بن عبداللہ ہے، موجود ۳۰۰ھ،

(۶) ابوعلی سندی بغدادی، آپ حضرت بایزید بسطامیؒ کے شیخ ہیں،

(۷) ابومحمد دیبلی بغدادی، آپ حضرت جنید بغدادیؒ کے خاص حلقہ نشینوں میں سے ہیں، ابومحمد دیبلی نے حضرت جنید سے ان کی وفات کے وقت دریافت کیا کہ آپ کے بعد ہم کس کی مجلس میں جائیں، آپ نے ابومحمد جریری کا نام لیا،

(۸) ابوموسیٰ دیبلی بغدادی، آپ حضرت بایزید بسطامی کے بھانجے اور ان کے بہت سے

ملفوظات واقوال کے راوی ہیں،

(۹) بختیار بن عبد اللہ، ابو محمد ہندی مروزی، جلیل القدر محدث اور بڑے صالح اور نیک آدمی تھے، وفات صفر ۵۴۱ھ۔

(۱۰) بختیار بن عبد اللہ، ابو الحسن ہندی بوشنجی، صوفی، زاہد نہایت پارسا اور پاکباز تھے، وفات ۵۴۲ھ یا ۵۴۳ھ۔

(۱۱) تقی الدین بن محمد اودھی المتوفی

(۱۲) جعفر بن خطاب، ابو محمد قصداری سندی، فقیہ، زاہد،

(۱۳) حسن بن ابو الحسن بدایونی رسن تاب، موجود ۸۰۰ھ،

(۱۴) حسن بن علی بن حسن، ابو المعالی داؤدی سندی، مصنف منہاج العابدین، یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ منہاج الدین آپ ہی کی تصنیف ہے، مگر بعض حاسدوں نے اسے امام غزالی کی طرف منسوب کر دیا، اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ منہاج العابدین میں حسن داؤدی کے اشعار ہیں اور امام غزالی کی عام کتابوں میں اشعار نہیں ہیں،

(۱۵) حسام الدین ملتانی، وفات ۶۸۶ھ

(۱۶) حمید بن احمد بن محمد بن ابراہیم سوالی المعروف بہ شیخ حمید الدین ناگوری، آپ کے مشائخ چشتیہ میں سب سے پہلے مصنف ہیں، آپ کی کتاب اصول الطریقہ بہت مشہور ہے، وفات ۶۷۳ھ

(۱۷) سیبویہ بن اسمٰعیل، ابو درہ قصداری مکی صاحب وجاہت و مجاور مکہ، وفات حدود ۴۶۰ھ

(۱۸) عبد اللہ بن مبارک ہندی مروزی، مرو کے عُبّاد و زہّاد آپ پر فخر کرتے تھے،

(۱۹) عثمان سندی بغدادی، صاحب ابی العباس بن سریج زاہد و عابد، موجود ۳۰۴ھ

(۲۰) عمر بن اسحٰق، ابو جعفر ورشی لاہوری، موجود ۶۰۰ھ۔

(۲۱) عمرو بن عبید بن ابو عثمان سندی بصری شیخ المعتزلہ زاہد و عابد،

(۲۲) مبارک ہندی مروزی، آپ مرو کے ایک مالدار آدمی کے ملازم تھے، مگر زہد و تقویٰ نے آپ کو عز و شرف کی بلندی پر بٹھا دیا،

(۲۳) مسعود بن سلیمان بن شعیب، فرید الدین اجودھنی، المعروف بہ فرید الدین گنج شکر، چشتیہ سلسلہ کے نامور شیخ اور حضرت نظام الدین اولیا اور حضرت علاء الدین صابر کے پیر ہیں،

(۲۴) محمد بن حسن، فخر الدین بن حضرت معین الدین چشتی اجمیری، وفات ۶۶۱ھ

(۲۵) محمد بن زکریا، شیخ الاسلام صدر الدین قرشی اسدی ملتانی

(۲۶) محمد بن عطا ناگوری،

(۲۷) محمد بن علی بن حسین بن ابو الفرج بلگرامی، صاحب الدعوۃ الصغریٰ، وفات ۶۴۵ھ،

(۲۸) محمد بن محمد بن عبد اللہ، ابو العباس دیبلی وراق زاہد، وفات رمضان ۶۵۴ھ

(۲۹) محمد بن محمد شجاع بن ابراہیم صدر الدین بھکری سندی، وفات ۶۶۸ھ

(۳۰) محمد بن محمد بن محمد شجاع بن ابراہیم، بدر الدین بھکری سندی، وفات ۶۰۰ھ

(۳۱) ہارون بن محمد بن مہلب، ابو محمد بھروچی اسکندرانی، بڑے عابد و صالح تھے، اسکندریہ کی ایک مسجد کے موذن تھے،

ادبا اور لغویین

(۱) ابن الاعرابی، محمد بن زیاد سندی کوفی، صاحب اللغۃ، عربی لغت کے ماہرین میں ابن الاعرابی بہت بلند ہیں، مفضل بن محمد ضبی صاحب المفضلیات نے ان کی پرورش کی تھی، امام نحو ثعلب کا بیان ہے کہ میں دس سال تک ان کی مجلس املا میں بیٹھا ہوں، مگر کبھی ان کے ہاتھ میں کتاب نہیں دیکھی، زبانی املا کراتے تھے، کئی اونٹوں کے بوجھ بھر کتابیں املا کرائیں، فن لغت میں بہت سی تصانیف ہیں، وفات ۲۳۱ھ۔

(۲) اسمٰعیل بن علی بن محمد ثقفی الوری سندی، ماہر فنون ادبیہ،

(۳) حسن بن حامد بن حسن بن حامد، ابو الحسن دیبلی بغدادی، ادیب و شاعر، مشہور شاعر متنبی سے آپ کے دوستانہ تعلقات تھے، متنبی جب بغداد آتا تو انہی کے یہاں قیام کرتا اور وہ اس کی تمام ضروریات کا خود انتظام کرتے تھے، وفات شوال ۴۰۷ھ

(۴) حسن بن محمد بن حسن، ابو الفضائل رضی الدین صغانی لاہوری لغوی، انھوں نے لغت میں العباب الزاخر بیس جلدوں میں لکھی، مگر حرف میم تک پہنچے تھے کہ وفات ہوگئی، اس کے علاوہ بھی انھوں نے بہت سی کتابیں لغت میں تصنیف کیں، جن پر اس دور کے علما ٹوٹ پڑے تھے، وفات شعبان ۶۵۰ھ

(۵) سندی بن علی بغدادی وراق، واضع کتاب الاغانی الکبیر، اسحٰق موصلی کا وراق تھا، اس کی کتابوں کی دکان بغداد میں طاق الزبل میں تھی، وراقی اور تجارت کی بدولت اس نے کتاب الاغانی ایک اور آدمی کے ساتھ مل کر لکھی، چنانچہ یہ کتاب پہلے کتاب الشرکۃ کے نام سے مشہور تھی، اس کے گیارہ اجزا ہیں، پہلا جزء یقیناً اسحٰق موصلی کی تصنیف ہے، جو مشہور مغنی ہے، موجود ۲۰۰ھ

(۶) علی بن عمرو بن حکم، ابو الحسن لاہوری، بہت بڑا ادیب و شاعر تھا، شعر و ادب کا بڑا ذخیرہ زبانی یاد تھا، اس کا انداز گفتگو نہایت دلکش تھا، موجود ۲۶۰ھ

(۷) کشاجم، نام محمد بن حسن بن شاہک ابو الفتح سندی رملی، بڑا ادیب و شاعر تھا، اس کی ادبی تصنیفات میں ادب الندیم اور کتاب الرسائل ہے، وفات ۳۶۰ھ

(۸) محمد بن احمد، ابو الریحان بیرونی سندی خوارزمی، یاقوت حموی نے اس کا تذکرہ معجم الادبا میں شرح و بسط کے ساتھ کیا ہے، وفات ۴۴۰ھ

(۹) عمرو بن عبید بن رباب سندی بصری، شیخ المعتزلہ، اس کے خطبات و رسائل میں زبان و ادب کا پورا زور ہے، تاریخوں میں اس کے جو خطبات درج ہیں، ان سے اس کی ادبی قابلیت کا

پورا اندازہ ہو جاتا ہے،

(۱۰) محمد بن عثمان، سراج الدین لاہوری، علوم عربیہ میں نمایاں شان کے مالک تھے اور اس میں ان کو خاص شہرت حاصل تھی،

شعراء

(۱) ابراہیم بن سندی شاہک بغدادی، خود بھی شاعر اور بہت سے شعرائے عرب کا راویہ بھی تھا۔

(۲) ابو عطا سندی، کوفی، مشہور حماسی شاعر مخضرم الدولتین ہے، اصل نام مرزوق یا افلح ابن یسار ہے، وفات ۱۶۸ھ

(۳) ابو الصلع سندی بغدادی، شعرائے ممالیک میں سے ہے، ابن ندیم نے بتایا ہے کہ اس کے اشعار تیس اوراق میں مدون ہیں، ابو الصلع نے اپنے وطن سندھ کی تعریف میں ایک شاندار قصیدہ لکھا جو کتابوں میں موجود ہے؛

(۴) ابو الہندی کوفی، بڑا بدمست شاعر تھا،

(۵) تاج الدین دہلوی، سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں سکریٹریٹ کے میر منشی اور شاعر تھے، اور خوب کہتے تھے۔

(۶) حسن بن حامد دیبلی بغدادی، ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر بھی تھے، ان کے اشعار کتابوں میں ملتے ہیں،

(۷) رابعہ بنت کعب قزداریہ سندیہ، یہ عورت شعر گوئی میں مشہور تھی، عربی کے علاوہ فارسی زبان میں بڑی بے تکلفی سے شعر کہتی، موجود ۳۰۰ھ،

(۸) سندی بن صدقہ، مشہور شاعر ابو نواس اس کا معاصر تھا، ابن ندیم نے سندی بن صدقہ کو شعراء کتاب میں ذکر کیا ہے، اور اس کے دیوان کا حجم پچاس ورق بتایا ہے، موجود ۲۰۰ھ،

(۹) علی بن عمرو بن حکم لاہوری، ادیب، شاعر تھے، انکو دوسروں کے بہت سے اشعار زبانی یاد تھے،

(۱۰) عمر بن اسحٰق، ابو جعفر داشی لاہوری، شاعر تھے اور خوب کہتے تھے۔ فارسی میں بھی انکا کلام ملتا ہے،

(۱۱) کشاجم، محمد بن حسن بن شاہک ابوالفتح سندی رملی، عربی زبان کا مشہور فصیح و بلیغ شاعر ہے، ریحانۃ الادب کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، اسکا دیوان موجود ہے، اور اسکے اشعار ادب محاضرات کی کتابوں میں بھی عام طور سے ملتے ہیں، وفات سنہ ۳۶۰ھ۔

(۱۲) محمد بن احمد، ابوالریحان، بیرونی سندی خوارزمی، مشہور فلسفی و مہندس ہے، یاقوت حموی نے معجم الادبا میں اس کے بہت سے اشعار اور قصائد نقل کیے ہیں، وفات سنہ ۴۴۰ھ۔

(۱۳) مسعود بن سعد بن سلمان لاہوری، عربی، فارسی اور ہندی تینوں زبانوں میں بے تکلف شعر کہتے تھے، اور شعرا کو دوست رکھتے تھے، وفات ۵۱۵ھ

(۱۴) منصور ہندی، ابن ندیم نے اس کا ذکر شعراء ممالیک میں کیا ہے، خفصویہ کا غلام تھا، اسکے اشعار کا مجموعہ مختصر تھا، موجود سنہ ۲۰۰ھ یا سنہ ۳۰۰ھ،

(۱۵) ہارون بن موسیٰ ملتانی سندی، بڑا بہادر شاعر تھا، سندھ میں اپنی قوم میں اسکی سیادت و قیادت مسلّم تھی، خود اسکا علاقہ اور قلعہ تھا، اس نے ایک ہندی راجہ سے جنگ کی اور دشمن کے ہاتھی کو ایک بلّی کے ذریعہ پسپا کیا، اس واقعہ کو ایک طویل نظم میں بڑی شان سے نظم کیا ہے، یہ پورا قصیدہ مروج الذہب مسعودی نے نقل کیا ہے، موجود غالباً سنہ ۳۰۰ھ،

(۱۶) ایک منصوری شاعر، منصورہ میں عراقی النسل ایک شاعر تھا، اور ہندوستان کی مختلف زبانوں کا عالم تھا، بڑا سمجھدار اور تیز فہم طبع تھا، الور کے راجہ نے حاکم منصورہ عبداللہ بن عمر کو لکھا کہ میرے لیے ہندی زبان میں اسلام کا انتظام کیجئے، اس نے یہ کام اسی منصوری شاعر کے سپرد کیا، پہلے اس نے ایک لمبا چوڑا قصیدہ راجہ کی تعریف میں اسکی زبان میں لکھا، راجہ نے اسے بہت پسند کیا اور اسے اپنے پاس بلایا، اور اس نے راجہ کے پاس مدت رہ کر قرآن حکیم کی تفسیر ہندی زبان میں سورہ یٰسین تک کی۔

(۱۷) ایک ہندی شاعر، علامہ ابن جوزی نے کتاب الاذکیا میں بعض شعرائے ہند کا واقعہ نقل کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاعر عربی زبان سے ناواقف تھا۔ (باقی)

ادبیات

غزل

از

الحاج محمد یٰسین صاحب تسکین قریشی

کچھ ایسا دل کا عالم ہو گیا ہے | کہ اب ہر غم، ترا غم ہو گیا ہے
تصور جب مجسّم ہو گیا ہے | بس اک عالم ہی عالم ہو گیا ہے
مبارک عشق کی خودداریوں کو | غرورِ حسن کچھ کم ہو گیا ہے
مسرت کی دعا کیا کہکے مانگوں | جب اس کا نام ہی غم ہو گیا ہے
تغافل کے تو پہلو اور بھی تھے | ستم ہی آج کیوں کم ہو گیا ہے
جہاں راہ طلب میں گم ہوا ہوں | وہیں کچھ فاصلہ کم ہو گیا ہے
تری محفل سے کیا آئے ہیں اٹھکر | یہ عالم، اور عالم ہو گیا ہے
فریبِ جستجو ہے ہر وہ منزل | جہاں جوشِ جنوں کم ہو گیا ہے
نہ دن دیکھے، نہ صبح و شام دیکھے | تجھے کیا چشمِ پرنم ہو گیا ہے

جب اہل عشق مل بیٹھے ہیں تسکین
دگرگوں رنگِ عالم ہو گیا ہے

غزل

از جناب چندر پرکاش صاحب جوہر بجنوری

عشق پہ مطمئن نہ ہو دل کو جنوں شعار کر — عالم بیخودی میں آ ہوش و خرد نثار کر

عشق کی اصطلاح میں زیست فنا کا نام ہے — زیست کا اعتبار کیا موت کا اعتبار کر

آتے ہی لب پہ انکا نام مل گئی راحت دوام — کوئی خموش ہو گیا آج انھیں پکار کر

کشمکش جہاں سے دور، دسترس خزاں سے دور — ایک نیا چمن بنا تکملۂ بہار کر

اے مرے ہمنوا بتا فیصلہ تو نے کیا کیا — یا مرے ساتھ ساتھ چل یا مرا انتظار کر

عقل ہے مصلحت نگر عقل سے چاہیے مفر — دل کے معاملات میں عشق کا اعتبار کر

ایک ادائے خاص کو دل پہ گرا کے برق ناز — جوہر بیقرار کو اور بھی بے قرار کر

غزل

از جناب محمد علی خانصاحب اثر رام پوری

دم نظارہ دل کا حال کیا ہوگا خدا جانے — کیا بیخود ابھی سے وعدۂ دیدار فردا نے

کھلا کرتے ہیں پچھلی رات کو فطرت کے میخانے — مئے عرفاں سمجھتا ہے کوئی انجم کے پیمانے

جلیں اب یا نہ جلیں شمعیں سر محفل نہیں پروا — کہ دل میں مستقل شمعیں لیے پھرتے ہیں پروانے

ترے جلووں کی نیرنگی کا ذرہ ذرہ شاہد ہے — زمیں سے آسماں تک ہیں مسلسل آئینہ خانے

جنوں کی شرط اول آرزوؤں کا بھلانا ہے — وہ مجنوں کیا جو محمل کی طلب میں دشت چھانے

ہزاروں ہوش قرباں ایسے رہرو کے تحیر پر — پہنچ کر تا در منزل جو منزل کو نہ پہچانے

جنوں کی گرد کو عقل سلامت رو نہیں پاتی
اثر پہنچے ہیں منزل تک یہی مدہوش دیوانے

باب التقریظ والانتقاد

رسالوں کے خاص نمبر

افکار سہیل۔ مرتبہ شوکت سلطان صاحب و علی حماد عباسی صاحب، کتابی سائز، ضخامت ۲۶۶ صفحات، کتابت و طباعت بہتر، قیمت: للعہ، پتہ: شبلی نیشنل کالج اعظم گڈھ۔

شبلی نیشنل کالج اعظم گڈھ کا میگزین جو مولوی اقبال احمد خاں صاحب مرحوم کی یادگار میں نکالا گیا ہے، اس کے دو حصے ہیں، حصۂ اول میں کئی مفید مقالے ہیں، جن سے جناب مولوی اقبال احمد خاں صاحب سہیل کی شخصیت کے مختلف گوشوں پر روشنی پڑتی ہے، لکھنے والوں میں بعض ایسے لوگ بھی شامل ہیں جنھوں نے سہیل صاحب کو بہت قریب سے دیکھا ہے، اور جن سے ان کے نہایت گہرے دوستانہ تعلقات تھے، اس سلسلہ میں جناب شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی کا مقالہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے، یہ مقالہ بڑا پر مغز بھی ہے، ابو علی اعظمی صاحب اور محمد حنیف خاں صاحب کے مقالے بھی اچھے ہیں۔

اس حصہ کے آخر میں چند مرثیے اور نوحے بھی شامل ہیں، یحییٰ صاحب اعظمی کا فارسی نوحہ سوز و گداز سے پر ہے۔

دوسرا حصہ بڑا قیمتی ہے اور یہی دراصل اس نمبر کی جان ہے، جو مولانا سہیل کے بلند پایہ علمی، ادبی اور تنقیدی مقالات، خطبات اور مکتوبات پر مشتمل ہے، سہیل صاحب اپنی افتاد طبع کی بنا پر بہت کم لکھتے تھے، مگر جو کچھ لکھتے تھے، وہ "ادب عالیہ" کی حیثیت رکھتا تھا، اس حصہ میں ان کا وہ مشہور مقدمہ بھی شامل ہے جو اصغر کے دیوان "نشاط روح" پر انھوں نے تحریر فرمایا تھا، یہ حصہ پورا پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، اور اس سے سہیل صاحب کی علمی قابلیت اور علم و ادب میں ان کی وسعت و دقت نظر کا اندازہ ہوتا ہے، ان کی یہ صلاحیتیں اگر علم و ادب کی خدمت میں صرف ہوئی ہوتیں

تو ہندوستان کے بلند پایہ اور صاحب طرز مصنفین میں ان کا شمار ہوتا۔

مولانا سہیل کی ذہانت و طباعی بے مثل تھی، وہ بڑی صلاحیتوں اور خوبیوں کے مالک تھے، طبیعت میں بڑا استغنا تھا، اس لیے ان کی تحریروں کا بڑا حصہ محفوظ نہیں رہا تاہم مختصر مجموعہ ان کے علمی کمالات کے اندازہ کے لیے کافی ہے، اور اس کے ترتیب دینے والے توصیف و مبارکباد کے مستحق ہیں، جو لوگ ادب و زبان کا ذوق رکھتے ہیں ان کے مطالعہ کے لائق ہے۔

فانوس خیال ۔ مرتبہ اے جے جلال الدین احمد صاحب بی اے، سائز متوسط، کتابت کاغذ اچھا، ٹائٹل خوشنما، پتہ: اے جے اردو سمینار، مدراس۔

"فانوس خیال" اے جے اردو سمینار مدراس کا چوتھا سالنامہ ہے، جس میں اس کے چوتھے سالانہ اجلاس اور مشاعرہ کی روداد میں متعدد مقالے نظمیں اور غزلیں شائع کیگئی ہیں، جناب ڈاکٹر مولانا عبدالحق صاحب ممبر پبلک سروس کمیشن مدراس کا مقالہ حاجی جمال محمد صاحب مرحوم پر بہت عمدہ ہے، حاجی صاحب مرحوم ایک مخلص، دیندار، مخیر اور علم پرور بزرگ تھے، ان ہی کی دعوت اور مولوی عبدالحق صاحب کی تحریک پر مولانا سید سلیمان ندوی نے سیرت پاک کے مختلف گوشوں پر مدراس میں لکچر دیے تھے، جو بعد میں "خطبات مدراس" کے نام سے شائع ہوئے، مولوی صاحب نے یہ مقالہ لکھکر حاجی صاحب کا حق ادا کر دیا ہے،

اے جے اردو سمینار کے مشاعرہ کی روداد بہت مفصل اور پڑھنے کے قابل ہے، اس سمینار کو مولانا عبدالحق صاحب کی سرپرستی حاصل ہے، جن کے دم سے جنوبی ہند میں اردو زبان اور علم دین کی ترویج و اشاعت ہو رہی ہے،

اس نمبر میں سمینار کے مناظر کی متعدد تصویریں بھی ہیں،

"ض"

مطبوعات جدیدہ

ابوبکر ۔ مترجمہ جناب شیخ محمد احمد صاحب پانی پتی تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۱۰ صفحات، کاغذ عمدہ خوبصورت ٹائپ میں چھپی ہے، قیمت عہ پتہ: مکتبہ جدید، انارکلی لاہور۔

اردو میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مستقل سوانح عمریاں بھی ہیں اور خلفائے راشدین کی تاریخ کے ضمن میں بھی ان کے حالات لکھے گئے ہیں، مگر الفاروق جیسی کوئی کتاب موجود نہیں تھی جس سے حضرت عمرؓ کی طرح صدیق اکبرؓ کے عظیم الشان کارناموں کا پورا اندازہ ہو سکے، یہی وجہ ہے کہ اسلام کی ابتدائی تاریخ پر جن لوگوں کی گہری نظر نہیں ہے ان کو حضرت عمرؓ کے عہد آفرین دور اور ان کے گوناگوں کارناموں کے مقابلہ میں عہد صدیقی ہلکا نظر آتا ہے، حالانکہ عہد فاروقی میں جو کارنامے انجام پائے در حقیقت ابوبکر صدیقؓ ہی نے ان کا راستہ ہموار کر کے ان کی بنیاد رکھی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلام پر جو نازک وقت آیا تھا جس میں بڑے بڑے صحابہ حیران و پریشان ہو گئے تھے اور کوئی صحیح رائے قائم نہ کر سکے تھے، اسلام کی مخالف طاقتیں ہر طرف سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں کہ وفات نبوی کے ساتھ ہی اسلام کا بھی خاتمہ کر دیں، اس نازک وقت میں حضرت ابوبکرؓ ہی کی دینی بصیرت، سیاسی تدبر، اور ہمت و استقلال نے اسلام کا چراغ گل ہونے سے بچایا، صحابہ کرام کی حیرانی و پریشانی کو دور کیا، ان کی مخالفت کے باوجود رومیوں کے مقابلہ میں جیش اسامہ کو بھیجا، مدعیان نبوت، مرتد قبائل اور منکرین زکوٰۃ کو زیر کر کے عرب کو ارتداد سے بچایا، عراق و شام پر فوج کشی کی، قرآن مجید کے منتشر اجزاء کو کتابی صورت میں مرتب کرایا،

عمل اور پند و نصائح سے اسلامی رُوح کو برقرار رکھا، کسی امر میں عمل رسول سے سرمو تجاوز نہ کرتے تھے، اور شبہ
میں اپنے عمل سے ایک بنیاد قائم کر دی، جس پر عہد فاروقی میں اسلامی حکومت کا عظیم الشان نظام قائم ہوا، مصر کے
مشہور اہل قلم ڈاکٹر محمد حسین ہیکل نے اسی نقطۂ نظر سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مبسوط سوانح عمری لکھی ہے
جس میں ان کے اسلامی خدمات اور اہم کارناموں کا بڑی تفصیل سے تذکرہ کیا گیا ہے، جس سے ان کی
عظمت پوری طرح نمایاں ہو جاتی ہے، اور یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ نہ صرف دینی و اخلاقی حیثیت سے بلکہ سیاست
و تدبر میں بھی ان کا پایہ کتنا بلند تھا، اگرچہ اس کتاب میں انکی دینی و اخلاقی اور علمی و مجتہدانہ حیثیت پر مستقل بحث
نہیں کی گئی ہے، لیکن ان کے دور میں جو واقعات پیش آئے ان میں ان کے طرز عمل اور ان کے مواعظ
و خطبات اور پند و نصائح سے جو اس کتاب میں جا بجا ہیں ان کے دینی و اخلاقی پایہ کا بھی اندازہ
ہو جاتا ہے، ترجمہ نہایت سلیس و رواں بلکہ شستہ و رفتہ ہے، ان خوبیوں کے ساتھ یہ خامی بھی ہے کہ
حضرت ابوبکرؓ کی بیعت خلافت کے سلسلہ میں بعض غیر معتبر شیعی روایات بھی نقل کر دی گئی ہیں، مگر
اس خفیف فروگذاشت سے کتاب کی خوبی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

دیوان غالب - مرتبہ جناب مالک رام صاحب ایم اے، تقطیع اوسط، ضخامت ۵۰۴ صفحات،
کاغذ، کتابت و طباعت نفیس، قیمت مجلد صر، پتہ آزاد کتاب گھر، کلاں محل، دہلی۔

دیوان غالب کے بکثرت اڈیشن شائع ہو چکے ہیں، ان میں سے بعض اچھے اور صحیح و مستند بھی تھے،
مگر اب وہ کمیاب ہیں، دوسرے کوئی ایسا اڈیشن نہیں ہے، جو ان کے پورے کلام پر حاوی ہو، اس
حیثیت سے سب ناقص ہیں، اس لیے ایک جامع اور مستند اڈیشن کی ضرورت اب بھی باقی تھی، اس ضرورت
کو ہمارے لائق دوست جناب مالک رام صاحب نے جن کو غالبیات سے خاص ذوق ہے پورا کیا ہے
اور مذکورۂ بالا جامع و مستند دیوان مرتب کیا ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی جمع و ترتیب و تصحیح میں
خود غالب کے تصحیح کردہ نسخوں اور ان کی دوسری تحریروں سے مدد لی گئی ہے، چنانچہ اس کے متن کی بنیاد دیوان غالب

کے اس اڈیشن پر ہے جو ۱۸۶۲ء میں مطبع نظامی کانپور نے غالب کے تصحیح کردہ نسخہ سے چھاپا تھا، اس کے
علاوہ منشی شیو نراین آگرہ کے شائع کردہ اڈیشن ۱۸۶۳ء (یہ اڈیشن اس نسخہ سے چھاپا گیا تھا جو مرزا
غالب نے نواب کلب علیخاں کو بھیجا تھا) انتخاب غالب جو مرزا غالب نے نواب صاحب کی فرمائش پر
کیا تھا اور رامپور سے شائع ہو چکا ہے، اردوے معلیٰ جس کے بعض خطوط میں مرزا غالب نے اپنے
متفرق اشعار، بلکہ پوری پوری غزلیں نقل کر دی ہیں، غالب کا مرتب کردہ ان کے مکاتیب کا ایک
مختصر مجموعہ "انشائے غالب" وغیرہ غالب کی مختلف تحریروں سے اس کی ترتیب و تصحیح میں مدد لی گئی
ہے، اور حاشیہ میں اختلاف نسخ کو واضح کیا گیا ہے، اس طرح یہ اڈیشن سب سے زیادہ جامع و مکمل
اور صحیح و مستند ہے، دیوان کے شروع میں مرتب کے قلم سے غالب کی شاعری اور ان کی زندگی میں
ان کے دیوان کے جو اڈیشن شائع ہوئے، ان کی تاریخ، ان کی نوعیت اور اس اڈیشن کی ترتیب
و تصحیح کی تفصیل ہے۔

کتبخانہ نواب سالار جنگ مرحوم کی اردو کی قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرست - مرتبہ جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی، تقطیع بڑی، ضخامت ۴۸۴ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت عہ پتہ معتمد کمیٹی اسٹیٹ سالار جنگ مرحوم
دیوان کی ڈیوڑھی، حیدرآباد دکن،

اردو کی ہزاروں قلمی اور نادر کتابیں ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں بکھری ہوئی ہیں جن کا
علم نہ ہونے کی وجہ سے ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا، ایسی کتابوں کا بڑا ذخیرہ حیدرآباد
کے کتب خانوں میں ہے، اس لیے ضرورت تھی کہ کم سے کم ان کی وضاحتی فہرستیں ہی شائع کر دیجاتیں،
اور یہ مسرت کا مقام ہے کہ اردو کی اس خدمت میں بھی حیدرآباد ہی نے پیش قدمی کی، چنانچہ اس سے
پہلے ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد اپنے کتب خانہ کی فہرستیں شائع کر چکا ہے، سر سالار جنگ مرحوم

کا کتب خانہ بھی اپنے نوادر کے لحاظ سے ہندوستان کے بہترین کتب خانوں میں ہے، اور اس میں عربی، فارسی اور اردو کی ہزاروں نادر و نایاب کتابیں ہیں، سرسالار جنگ اسٹیٹ کمیٹی ان سب کی الگ الگ فہرستیں مرتب کرا رہی ہے، اردو کے مخطوطات کی یہ فہرست حیدر آباد کے مشہور صاحب قلم جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی نے مرتب کی ہے، اس کے ابواب کی تقسیم ڈیوی اصول کے مطابق مختلف فنون اور پھر ان کی ذیلی شاخوں پر کی گئی ہے، ہر کتاب کے تحت میں مصنف کے مختصر حالات اور قلمی نسخہ کے متعلق ضروری معلومات درج کیے گئے ہیں، اس فہرست میں ایک ہزار سے کچھ اوپر مخطوطات کا تذکرہ ہے، کتاب کے شروع میں سرسالار جنگ کے خاندان کی مختصر تاریخ اور اس فہرست کے متعلق ضروری باتیں درج کی گئی ہیں، اس فہرست سے اردو کے بہت سے نادر مخطوطات کا علم ہو جاتا ہے، اور ...... اردو کی تاریخ کے بعض نئے گوشوں پر روشنی پڑتی ہے، اسکی اشاعت اردو کے ذخیرہ میں ایک مفید کتاب کا اضافہ ہوا ہے

تاریخ ملت گیارھویں جلد سلاطین ہند	مولفہ جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۳۰۰ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر،

قیمت مجلد ے غیر مجلد ے پتہ: ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی۔

ندوۃ المصنفین دہلی نے تاریخ ملت کا جو مفید سلسلہ شروع کیا ہے یہ اس کی گیارھویں اور سلاطین ہند ہی کی دوسری جلد ہے، اس میں کشمیر و گجرات کے حکمرانوں، دکن کی بہمنی، عماد شاہی، قطب شاہی اور عادل شاہی حکومتوں اور تیموری سلطنت کے حالات ہیں، یہ کوئی مبسوط تاریخ نہیں ہے، بلکہ عام اور اجمالی معلومات کے لیے ایک مختصر نصابی کتاب ہے، چنانچہ ان تمام حکومتوں کے حالات تین سو صفحوں میں آگئے ہیں، لیکن تاریخ ہند مصنف کا خاص موضوع ہے، اس لیے یہ کتاب اختصار کے باوجود جامع ہے، اور اس میں بہت ضروری معلومات آگئے ہیں، اور مختصر تاریخ ہندوستان کی حیثیت سے مفید ہے،

(م)

جلد ۸۱ ماہ شعبان المعظم ۱۳۷۷ھ مطابق مارچ ۱۹۵۸ء نمبر ۳

مضامین